عرض احوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہیں آج کیوں ذلیل.....؟

اِس وقت اُمت مسلمہ کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے عذاب کی زد میں ہیں۔ اللہ کا تو وعدہ تھا: ﴿اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ ''تم ہی غالب اور سربلند ہو گے اگر تم واقعی مؤمن ہوئے''۔ یعنی دنیا میں بھی تمہیں عزت' اقتدار' غلبہ' تسلط اور برتری حاصل ہو گی اگر تم نے ایمان کے تقاضوں کو پورا کیا' اس قرآن کو مشعلِ راہ بنایا اور اس کے مطابق زندگی کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر استوار کیا۔ پھر یہ ذلت و رسوائی کیوں ہے؟ کون کون سی ذلتیں ہیں جو آج ہمیں نہیں اٹھانی پڑ رہی ہیں! اس لیے کہ ہم نے قرآن سے مُنہ موڑا ہے۔ ہم قرآن کو مانتے ہیں' لیکن اس کے پیغام پر کان دھرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ہم نے بحیثیت اُمت قرآن سے روگردانی اور اعراض کی روش اختیار کی ہے۔ بقول علامہ اقبال:۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر!

واشنگٹن ٹائمز میں توہین آمیز کارٹون کی اشاعت ہماری اسی ذلت و رسوائی کا ایک مظہر ہے۔ لیکن نائن الیون کے حادثہ کے بعد جن لوگوں نے صدر مشرف کی امریکہ نواز پالیسی کی حمایت کی انہیں اس کارٹون پر احتجاج کا کوئی حق نہیں' کیونکہ اُس وقت اللہ کی غلامی چھوڑ کر امریکہ کی غلامی کا پٹہ ہم نے خود اپنے گلے میں ڈالا تھا' جس کی بالکل صحیح صحیح تصویر کشی مذکورہ کارٹون میں ایک پالتو شکاری کتے کی صورت میں کی گئی ہے جو اپنے مالک کے لیے شکار پکڑ کر لاتا ہے اور اس طرح اس کے ساتھ وفاداری کا اظہار کرتا ہے۔ طالبان کے ساتھ یوٹرن کا مطلب یہ تھا کہ مرغ بادِنما کی طرح ہم نے اپنا قبلہ بدل لیا اور پوری قوم کا قبلہ واشنگٹن قرار پایا۔ ایک اسلامی حکومت کو ختم کرنے میں ہم نے اسلام دشمن طاقتوں کا ساتھ دیا اور اس طرح قرآن کے احکامات کو ہم نے اپنے پاؤں تلے روندا۔ آج ہم امریکہ کی خاطر جن مجاہدین کا شکار کر رہے ہیں یہ کل تک امریکہ کی بھی آنکھوں کا تارا تھے جب یہ افغانستان میں روس کے خلاف جہاد کر رہے تھے۔ اُس وقت ہم بحیثیت قوم ان کے ساتھ تھے۔ وہ تو اُس وقت بھی جہاد کر رہے تھے' اب بھی کر رہے ہیں۔ انہوں نے قبلہ نہیں بدلا' قبلہ ہم نے بدلا ہے۔ آج ہم اللہ کے وفاداروں کو دشمنانِ اسلام اور ابلیس کے ایجنٹوں کے حوالے کر رہے ہیں۔ لہٰذا مذکورہ کارٹون ہمارے حال کی بالکل صحیح تعبیر ہے۔

دوسری طرف گوانتاناموبے میں قرآن مجید کی بے حرمتی دراصل پوری ملت اسلامیہ کی توہین و

تذلیل ہے‘ جس کا مداوا محض لفظی احتجاج سے نہیں ہوسکتا۔ اگر ہم اس کے حوالے سے اپنا قبلہ درست نہیں کرتے تو لفظی احتجاج بے معنی ہے ع ’’ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!‘‘ اور آج ہم کمزور اس لیے ہیں کہ ہم نے اللہ کو ناراض کیا ہوا ہے‘ اللہ کی نصرت اور مدد ہمارے ساتھ نہیں ہے۔ اللہ نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا‘ ہم نے خود اپنے آپ کو اللہ کے عذاب کا مستحق بنایا ہے۔ اللہ کے دشمنوں سے ہماری دوستیاں ہیں اور انہیں ہم نے خدا کا درجہ دے رکھا ہے۔ سودی نظام‘ جس کے حوالے سے قرآن کا فیصلہ تو یہ ہے کہ اگر سود سے باز نہیں آتے تو سن لو اللہ اور رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے‘ اسے پوری ملت اسلامیہ نے اختیار کیا ہوا ہے اور اسی کو فروغ دے رہے ہیں‘ تو اس صورت میں مدد اور نصرت کہاں سے آئے گی؟

ہماری رسوائی کا ابھی ایک مظہر اور بھی سامنے آیا ہے کہ امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے مشیر پروفیسر جیروم آرکورسی نے امریکی حکومت کو مشورہ دیا ہے کہ اگر ایران اسرائیل پر حملہ کرے تو امریکہ مکہ مکرمہ پر ایٹمی حملہ کر دے‘ تاکہ مسلمانوں کی وحدت کا مرکز ختم ہو جائے اور ان کی کمر ٹوٹ جائے۔ جہاں تک اللہ کے گھر کا تعلق ہے اس کی حفاظت تو اللہ تعالیٰ نے پہلے بھی کی ہے اور اب بھی خود ہی فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ جس ذریعے سے چاہے حفاظت کر سکتا ہے۔ اس نے معمولی پرندوں کے ذریعے ہاتھیوں کا لشکر تباہ کر دیا تھا۔ البتہ اِن حالات میں مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ یہ ذلت و رسوائی آج ہمارا مقدر کیوں بن گئی ہے؟ سوال یہ ہے کہ اگر ہمارا یہی طرزِ عمل رہا تو ہمیں اللہ کے عذاب اور اس کے غضب سے کون بچائے گا؟ اللہ کی تو یہ سنت ہے کہ جو مسلمان قوم اللہ کے دین سے بے وفائی اور غداری کرے دنیا میں بھی اس پر عذاب کے کوڑے برستے رہتے ہیں‘ ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن جاتی ہے اور آخرت میں بھی وہ خائب و خاسر ٹھہرتی ہے۔

ان حالات میں اللہ کی مدد کیسے ہماری دستگیری کر سکتی ہے اور ہم ذلت و رسوائی کی اِس دلدل سے کیسے نکل سکتے ہیں؟ اس کی صورت یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی انفرادی زندگی میں اللہ کا بندہ بن جائے اور ذاتی طور پر اپنا قبلہ درست کر لے۔ اور ایسے سب لوگ متحد ہو کر پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے جدوجہد کریں۔ یعنی اس قوم کا اجتماعی قبلہ درست ہو جائے تو اللہ کی مدد آ سکتی ہے۔ پھر امریکہ کا باپ بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اصل ضرورت قوم میں غیرت و حمیت دینی اور جذبۂ ایمانی پیدا کرنے کی ہے۔ اگر ہمارا اللہ پر ایمان اور توکل ہو اور یہ یقین ہو کہ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے وفادار بنیں گے تو اللہ کی مدد آئے گی‘ تو پھر واقعتاً اللہ کی مدد آ کر رہے گی۔ موجودہ ذلت و رسوائی سے نکلنے اور دنیا میں عزت و سرفرازی اور آخرت میں فوزِ عظیم سے ہمکنار ہونے کا یہی راستہ ہے اور یہی قرآن کا اصل پیغام ہے۔ oo

تذکرہ و تبصرہ

روشن خیالی اور اسلام

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کا خطاب

بمقام: مسجد دارالسلام، باغ جناح لاہور۔ بتاریخ: ۸/اپریل ۲۰۰۵ء

نحمدہٗ ونصلی علٰی رَسولِہِ الکریم ..... امّا بَعد:

اعوذ باللّٰہ من الشّیطٰن الرّجیم۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾﴾ (بنی اسراء یل)

﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاۗءِ مِنْ مَّاۗءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ ۠ وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾﴾(البقرۃ)

﴿اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾﴾ (لقمان) ..... صدق اللّٰہ العظیم

میرے آج کے خطاب کا عنوان ''موجودہ روشن خیالی اور اسلام'' ہے۔ اس موضوع پر چند ہی روز قبل تنظیم اسلامی ایک بڑا سیمینار بھی منعقد کر چکی ہے۔ اس میں بعض علماء کرام کے ساتھ جدید روشن خیالی کے ایک بہت بڑے علمبردار ڈاکٹر جاوید اقبال بھی شریک ہوئے۔ میں نے بھی وہاں پر گفتگو کی تھی، لیکن اپنے ایک گھنٹے کے

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq june05\ms14-05.inp 8/22/2014 4:12 PM PAGE 1 (1,1)

خطاب کے دوران مجھے ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب کی باتوں کا جواب بھی دینا پڑا‘ کیونکہ وہ تقریب میری صدارت میں ہو رہی تھی۔ نتیجتاً اصل موضوع پر میں زیادہ تفصیل سے اظہارِ خیال نہ کر سکا۔

دیکھیے میرا دعویٰ یہ ہے کہ دنیا میں روشن خیالی کا آغاز اسلام‘ بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں قرآن سے ہوا ہے۔ اس سے پہلے دنیا توہّمات میں مبتلا تھی۔ ایسے عقائد موجود تھے جن کا کوئی سر پیر نہ تھا۔ زلزلہ کے متعلق کہا جاتا کہ یہ زمین ایک بیل اپنے ایک سینگ پر اٹھائے کھڑا ہے‘ جب بیچارہ بیل تھک کر اسے ایک سے دوسرے سینگ پر منتقل کرتا ہے تو زلزلہ آتا ہے۔ کیا اس عقیدے کی کوئی عقلی یا سائنسی بنیاد ہے؟ کیا اللہ کی اتاری ہوئی کسی کتاب میں اس کا ذکر ہے؟ اس قسم کے توہّمات سے انسان کو قرآن نے نکالا ہے۔ اس ضمن میں قرآن کی سب سے پہلی اور بنیادی ہدایت یہ تھی کہ:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾﴾ (بنی اسراء یل)

’’مت پیچھے لگو کسی ایسی چیز کے جس کے لیے تمہارے پاس علم نہیں ہے۔
بے شک کان اور آنکھ اور دماغ ان سب کی اس سے پوچھ ہوگی۔‘‘

یعنی یہ جو ہم نے تمہیں سماعت اور بصارت دی ہے اور ان دونوں کے جو sense data دماغ میں فیڈ ہوتے ہیں‘ ان سب کا تم سے محاسبہ ہوگا۔ پوچھا جائے گا کہ اس سے کام کیوں نہیں لیا‘ توہمات میں کیوں پڑے رہے! ذہن میں رکھیے کہ علم کی ایک قسم وہ ہے جسے ہم کسبی علم (Acquired Knowledge) کہتے ہیں۔ اسے انسان خود حاصل کرتا ہے۔ آنکھ سے دیکھا‘ کان سے سنا‘ ہاتھ سے چھوا‘ زبان سے چکھا‘ ناک سے سونگھا‘ یہ sense data دماغ میں فیڈ ہو گئے۔ اس آیت میں لفظ ’’فُؤاد‘‘ کے معنی مَیں دماغ لیتا ہوں‘ قلب نہیں۔ فُؤاد کے معنی کسی چیز سے اس کا نچوڑ حاصل کرنا ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ پرانی تفاسیر کے اندر ’’ف‘‘ لکھا ہوتا ہے‘ یعنی اس بات کا فائدہ کیا ہے! اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے! اس سے کیا عملی سبق ملتا ہے! گوشت کو جب

اچھی طرح بھون دیتے ہیں اور اس میں سے پانی نکل جاتا ہے تو عربی میں اسے فئید کہتے ہیں، یعنی اس کا جوہر نکل آیا۔ اس اعتبار سے حواسِ خمسہ میں سے سماعت اور بصارت ہمارے سب سے بنیادی حواس ہیں۔ انہی سے زیادہ تر ڈیٹا فیڈ ہوتا ہے۔ کمپیوٹر کے حوالے سے ڈیٹا کا لفظ تو آج کل تقریباً ہر شخص ہی جانتا ہے۔ کمپیوٹر اپنے طور پر قطعاً کچھ نہیں سوچ سکتا۔ آپ اس میں ڈیٹا فیڈ کرتے ہیں، وہ اس کو پراسس کرتا ہے، پراسس کر کے نتیجہ نکالتا ہے، نتیجہ نکال کر اسے میموری کے اندر رکھ دیتا ہے۔ پھر مزید ڈیٹا آتا ہے تو اس پر غور کرتا ہے۔ ایک نیا نتیجہ آنے پر اس کا پچھلے نتیجے سے موازنہ کرتا ہے کہ آیا اس کے خلاف ہے یا اس کے مطابق!

اس طرح قدم بقدم انسان کا علم بھی بڑھتا چلا گیا، جس کی میں بڑی سادہ سی مثال دیا کرتا ہوں۔ ایک زمانہ تھا کہ ہمارے آباء واجداد کی خوراک پھل، جڑی بوٹیاں اور جڑیں ہوتی تھیں، یا پھر کچا گوشت کھاتے جیسے کہ درندے کھاتے ہیں۔ ایک روز کسی شخص نے دیکھا کہ اوپر سے ایک پتھر نیچے چٹان پر گرا تو ایک شعلہ برآمد ہو گیا۔ اس نے دو پتھر لے کر ٹکرائے تو توانائی کی پہلی شکل (First form of energy) یعنی آگ ایجاد ہو گئی۔ اب انسان نے سبزیاں اور گوشت پکا کر کھانا شروع کر دیا۔

اس کے بعد کسی نے دیکھا کہ چولھے پر چڑھی ہوئی ہانڈی کے اوپر ڈھکن ہل رہا ہے۔ اس نے سوچا کیا یہ کسی جن بھوت کا کام ہے؟ غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ڈھکن کے نیچے جو بھاپ موجود ہے، اس میں طاقت ہے، وہ ڈھکن کو اٹھا رہی ہے۔ لہٰذا توانائی کا دوسرا ذریعہ (Second source of energy) وجود میں آ گیا۔ اب سٹیم انجن ایجاد ہو گئے۔ لہٰذا انسان کا علم قدم بقدم بڑھا ہے۔ پہلے اس کی رفتار کافی سست تھی، لیکن پچھلے کوئی ڈیڑھ سو سال میں یہ دھماکے کی مانند نہایت تیزی کے ساتھ بڑھی ہے۔ علم بہرحال علم ہے، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ علم نہیں ہے۔ قرآن مجید اسے علم الاسماء سے تعبیر کرتا ہے۔ ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ سارا علم حضرت آدم علیہ السلام میں ودیعت کر دیا گیا تھا جو آج تک انسان نے اپنے

حواس اور عقل کے ذریعے سے حاصل کیا ہے اور جو وہ ابھی حاصل کرے گا۔ جیسے آم کی گٹھلی میں پورا درخت ہوتا ہے' تاہم اسے درخت بننے میں کئی سال لگتے ہیں' لیکن جو کچھ اس میں تھا' یہ سب اُسی سے بن رہا ہے۔ یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس علم کے حصول کے لیے آلات اور اوزار (apparatus) آدم میں رکھ دیے گئے' جیسے سمع' بصر' فُؤاد' کہ اب ان سے کام لو اور آگے بڑھتے جاؤ۔ یہ علم آج اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ جیسے اقبال نے کہا تھا کہ ع

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہِ کامل نہ بن جائے!

تو چاند پر تو انسان اتر گیا' آگے مریخ پر کمندیں ڈال رہا ہے۔ بہرحال یہ علم ہے۔ اسلام اسے تسلیم (acknowledge) کرتا ہے' بلکہ جو آیت میں نے پڑھی ہے وہ اسی علم سے متعلق ہے۔ (دوسری قسم کا علم وہ ہے جو ہمیں وحی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے' یعنی علم ہدایت' لیکن اس وقت یہ میرا اصل موضوع نہیں ہے۔) چنانچہ فرمایا گیا کہ علم کی بنیاد پر اپنا موقف قائم کرو۔ ہمارے نزدیک وہ علم یا تو سائنس کے ذریعے سے حاصل شدہ ہو گا' یا پھر وحی کے ذریعے سے آیا ہوا علم ہوگا۔

دوسری بات قرآن نے یہ کہی کہ جتنے مظاہر فطرت ہیں' مثلاً چاند' ستارے' آسمان' ہواؤں کا چلنا' ان میں سے کسی میں الوہیت نہیں ہے کہ تم ان کو پوجو۔ یہ تو اللہ کی آیات ہیں' نشانیاں ہیں۔ ان کو دیکھو اور اللہ کے علم' اس کی قدرت' اس کی حکمت کا اندازہ کرو' سمجھ اور معرفت حاصل کرو۔ اس سلسلے میں طویل ترین آیت سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۶۴ ہے: ﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ ''یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے الٹ پھیر میں'' ﴿وَالۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ﴾ ''اور اس کشتی میں جو سمندر (اور دریاؤں) میں چلتی ہے لوگوں کے لیے نفع بخش سامان کو لے کر'' ﴿وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ﴾ ''اور یہ جو آسمان سے اللہ نے پانی اتارا ہے'' ﴿فَاَحۡیَا بِهِ

اَلْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ ''پھر مردہ زمین کو اس کے ذریعے سے زندہ کر دیا'' (زمین بنجر پڑی تھی' اب سرسبز ہے)۔﴿وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ﴾ ''اور ہر طرح کے چوپائے اس میں پھیلا دیئے'' ﴿وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ﴾ ''اور ہواؤں کی گردش میں'' ﴿وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ ''اور اُن بادلوں میں جو زمین و آسمان کے درمیان مسخر ہیں'' زمین پر گرتے نہیں﴿ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴾ ''یقیناً نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں''۔ان سب میں آیات ہیں' نشانیاں ہیں' ان کو دیکھو اور عقل سے کام لو۔تم نے ہوا کو خدا بنا لیا' آگ کو خدا بنا لیا' سورج کو خدا بنا لیا' چاند کو خدا بنا لیا۔ معاذ اللہ! یہ تو اللہ کی نشانیاں ہیں۔ان کو دیکھو اور اللہ کو پہچانو۔

اسی سے دراصل دنیا میں پہلی بار استقرائی منطق (Inductive logic) کا رواج ہوا۔اس سے پہلے صرف استخراجی منطق (Deductive logic) تھی کہ آدمی ایک بات کو لے کر اسی کے اندر گم ہے۔اسے High power lense کے نیچے رکھ کر بال کی کھال اتارتا جا رہا ہے۔مشاہدہ محدود' عقل کی تگ و دو مسلسل! دوسری طرف استقرائی منطق ہے۔ قرأ سے مراد جمع کرنا ہے۔اسی سے قریہ بنا' اسی سے قرآن بنا اور اسی سے استقراء بنا۔استقرائی طریقے کے تحت مشاہدات کو جمع کر کے نتیجہ نکالا جاتا ہے۔بقول اقبال ؎

کھول آنکھ' زمیں دیکھ' فلک دیکھ' فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!

سورۃ الغاشیہ میں دعوتِ مشاہدہ اِن الفاظ میں دی گئی: ﴿اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴾ کیا یہ دیکھتے نہیں کہ اونٹ جس پر یہ سواری کرتے ہیں' اُس کو کیسے بنایا اللہ نے! یہ ریگستان اس کے لیے کس قدر موزوں ہے۔سات سات دن پانی نہ ملے' اسے پرواہ نہیں۔کوئی چیز کھانے کو نہ ملے' پرواہ نہیں۔اس کے کوہان میں اتنی چربی ہے جو اسے غذا مہیا کرتی رہتی ہے۔پاؤں ایسا بنایا کہ ریت میں دھنستا نہیں۔

اللہ نے تمہارے ماحول کے کس قدر مطابق تمہیں یہ سواری عطا کی! ﴿وَاِلَی السَّمَآءِ کَیۡفَ رُفِعَتۡ ﴿۱۸﴾﴾ اور دیکھتے نہیں آسمان کو کہ کیسے بلند کر دیا گیا! ﴿وَاِلَی الۡجِبَالِ کَیۡفَ نُصِبَتۡ ﴿۱۹﴾﴾ اور دیکھتے نہیں ان پہاڑوں کو کیسے جما دیا گیا' نصب کر دیا گیا! یہ خاص طور پر عرب کا مشاہدہ تھا۔ وہ عام طور پر وادیوں میں سفر کرتے تھے۔ حجاز کے اِدھر بھی پہاڑ ہیں اور اُدھر بھی پہاڑ ہیں' جبکہ درمیان میں راستہ ہے۔ ﴿وَاِلَی الۡاَرۡضِ کَیۡفَ سُطِحَتۡ ﴿۲۰﴾﴾ اور زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ اس کو کیسے ہموار کر دیا گیا! تو اِن چیزوں کو دیکھو اور نتیجہ نکالو۔ چنانچہ استقرائی منطق کا آغاز قرآن نے کیا اور اسی سے سائنس وجود میں آئی۔ سائنس کی بنیاد اسی طریقۂ استدلال پر ہے' جبکہ اس سے پہلے افلاطون' ارسطو اور دوسرے فلاسفہ سب کے سب استخراجی منطق میں لگے رہتے تھے۔

اب میں آپ کے سامنے ایک بنگالی ہندو راجہ مہندر ناتھ رائے کا نظریہ پیش کرنے لگا ہوں۔ ایم این رائے انٹرنیشنل کمیونسٹ پارٹی کی بلند ترین سطح پر قائم ایک تنظیم ''کمیونسٹ انٹرنیشنل'' کا رُکن تھا۔ اس نے لاہور میں ۱۹۲۰ء میں ''Historical Role of Islam'' کے عنوان سے ایک لیکچر دیا تھا' جس میں اُس نے بڑی ہی خوبصورت بات کہی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ مسلمانوں نے چوبیس برس کی قلیل مدت میں طوفان کی طرح جو فتوحات حاصل کیں' اِدھر دریائے جیحوں (Oxus) اور اُدھر بحرِ اٹلانٹک تک پہنچ گئے' تو اکثر لوگ ان فتوحات کی برق رفتاری کا موازنہ دوسرے فاتحین سے کر بیٹھتے ہیں۔ جیسے چنگیز خان مشرق سے چلتا ہوا مغرب میں پہنچ گیا تھا' اٹیلا بھی مشرق سے مغرب تک پہنچ گیا تھا' اسی طرح سکندر اعظم بھی مقدونیہ سے چل کر دریائے بیاس تک آ گیا تھا۔ لیکن ان تمام فاتحین کی اور مسلمانوں کی فتوحات میں بڑا بنیادی فرق ہے۔ چنگیز خان اور سکندر اعظم کی فتوحات کے نتیجے میں کوئی نئی تہذیب وجود میں نہیں آئی' دنیا کو روشنی نہیں ملی' نئے علوم کی ایجاد نہیں ہوئی' جبکہ مسلمانوں کی فتوحات نے ایک نئی تہذیب اور تمدن کو جنم دیا' تمام پرانے علوم کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ اُس وقت یورپ تاریک دَور (dark ages) سے گزر رہا تھا۔

اگرچہ ہر ملک کا اپنا بادشاہ تھا' لیکن سب کے اوپر پوپ تھا اور اصل حکومت اسی کی تھی۔ ہر معاملے میں اسی کا حکم چلتا تھا' اور اس نے سائنس اور فلسفہ کی تعلیم کو حرام قرار دے رکھا تھا۔ اس کا حکم تھا کہ اگر کہیں سے سائنس کی کتابیں نکل آئیں تو اس گھر کو آگ لگا دی جائے' کسی نے فلسفہ پڑھا ہے تو اس کو زندہ جلا دیا جائے۔ پوپ جو کہہ دیتا بس وہی قانون تھا۔ تورات کا جو قانون حضرت مسیح علیہ السلام دے کر گئے تھے اس کو تو سینٹ پال نے منسوخ (abrogate) کر دیا۔ کوئی شریعت نہیں رہی تھی۔ اس کے بعد تو پوپ کا حکم ہی شریعت کا درجہ اختیار کر گیا۔ اس اعتبار سے پورا یورپ پوپ کے زیر اثر تھا۔ امریکہ کا تو اُس وقت وجود ہی نہیں تھا۔ اگر تھا بھی تو دنیا نہیں جانتی تھی کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ وہاں وحشی قبائل رہتے تھے جو کسی طرح کی تہذیب و تمدن سے نا آشنا تھے۔ اس سے پہلے یونانی دور میں یورپ متمدن رہا تھا اور وہاں فلسفہ اور سائنس کے میدان میں کافی ترقی ہوئی تھی' لیکن پوپ کے تسلط نے تاریکی پیدا کر دی تھی۔ ایم این رائے کے مطابق' ایسے حالات میں مسلمانوں نے دنیا کو روشنی دی ہے۔ اس حوالے سے روشن ترین عہد عباسی دور حکومت کا تھا' جس میں قدیم یونان کے تمام علوم کا عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ سقراط' افلاطون اور ارسطو کو مسلمانوں نے ہی زندہ کیا ہے۔ اسی طرح ہندوستان سے علم طب بھی لیا' منطق بھی لی اور حساب بھی لیا' پھر اُن علوم کو وسعت اور ترقی بھی دی گئی۔ لہٰذا اُس وقت پوری دنیا کے اندر روشن خیال معاشرہ مسلمانوں کا تھا۔ یہ ایک ایسے شخص کی رائے ہے جو ہندو بھی تھا اور کمیونسٹ بھی۔

تیسری بات علامہ اقبال نے فرمائی ہے' جو بہت گہری ہے اور یہ صرف وہی کہہ سکتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

"The inner core of the present Western Civilization is Quranic."

ایک طرف تو علامہ اقبال مغربی تہذیب کی شدید مذمت کرتے ہیں۔ جیسے:۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا' ناپائیدار ہو گا!

اور:۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے!

لیکن دوسری طرف کہتے ہیں کہ اس تہذیب کا بطن البطون (Inner core) قرآنی ہے۔ سائنس میں موجودہ ترقی اسی وجہ سے ممکن ہوئی ہے کہ مسلمانوں نے توہمات کا دور ختم کر دیا تھا۔ استقرائی منطق شروع ہوئی تو سائنس وجود میں آئی۔ اب دیکھیے کہ یہ سب کچھ ہوا کس طرح ہے۔

جب بنوعباس نے مسلم دنیا کے قلب میں قائم بنواُمیہ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا تو ان کا ایک شہزادہ بچ کر وہاں سے نکل بھاگا' اس نے سپین جا کر وہاں ایک زبردست حکومت قائم کر لی' جسے مسلمان پہلے ہی فتح کر چکے تھے۔ سپین کو طارق بن زیاد نے ۹۲/۹۳ ہجری (۷۱۲/۷۱۳ء) میں فتح کیا تھا۔ اس موقع پر یہودیوں نے مسلمانوں کی مدد کی تھی اور انہیں راستے بتائے تھے' کیونکہ مسلمان فوج کسی نامعلوم مقام پر اتر گئی تھی اور اپنی کشتیاں بھی جلا چکی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب یہودیوں کو عیسائیوں کی جانب سے شدید تعذیب (persecution) کا سامنا تھا' اُن پر تشدد ہوتا تھا' انہیں ٹارچر کیا جاتا تھا' ان سے نفرت کی جاتی تھی۔ عیسائی ان سے گھن کھاتے تھے' لہٰذا انہیں شہروں میں آباد ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ ان کے لیے شہروں سے باہر اقلیتی محلے (Ghetto) قائم تھے۔ شام کو انہیں دو' تین گھنٹوں کے لیے شہر میں آنے کی اجازت تھی تاکہ وہ خرید وفروخت کر سکیں۔ ان اوقات کے علاوہ شہر میں ان کا داخلہ بند ہوتا۔ پھر انہیں زندہ بھی جلا دیا جاتا تھا' خاص طور پر سپین میں۔ اُس وقت سپین سوفی صد رومن کیتھولک ملک تھا' اور آج بھی ایسا ہی ہے۔ بہرحال مسلمانوں نے سپین میں اپنی حکومت قائم کرنے کے بعد یہودیوں کو اپنا محسن سمجھا۔ لہٰذا انہیں کندھوں پر اٹھایا' سر پر بٹھایا اور بہت عزت و توقیر دی۔ اسی لیے بن گوریان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ:

"Muslim Spain was the golden era of our diaspora."

''مسلم سپین ہمارے ''دورِ انتشار'' کا سنہری زمانہ تھا''۔

سن ۷۰ء میں یہودیوں کو رومیوں نے فلسطین سے نکال دیا تھا اور وہ دنیا بھر میں منتشر ہو گئے تھے۔ جس کا جہاں سینگ سمایا' چلا گیا۔ چنانچہ یہ روس' شمالی افریقہ' ہندوستان اور ایران چلے گئے' لیکن فلسطین سے بہرحال نکال دیے گئے۔ یہ یہود کی تاریخ کا دورِ انتشار (Diaspora) کہلاتا ہے' جو انتہائی ذلت کا دور تھا۔ ہر جگہ یہودی کا لفظ ایک گالی بن چکا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں نے سپین میں ان کو سہارا دیا۔ لیکن یہاں بیٹھ کر انہوں نے کیا کیا' اسے اچھی طرح جان لیجیے!

علم و حکمت کی وہ روشنی جو مشرقِ وسطیٰ کے اندر پیدا ہوئی تھی' وہ مسلمانوں کے ذریعے ہسپانیہ میں بھی پہنچ گئی۔ ہسپانیہ کے تمام بڑے شہروں میں یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ جیسے آج ہمارے نوجوان پڑھنے کے لیے یورپ اور امریکہ جاتے ہیں' ایسے ہی اُن کے نوجوان pyrenees کی پہاڑیوں کا سلسلہ عبور کر کے فرانس' اٹلی اور جرمنی سے ہسپانیہ آتے اور یہاں سے اسلام کی روشنی لے کر جاتے تھے۔ یہ روشنی حریت' آزادی اور مساوات کی روشنی تھی' یعنی کوئی حاکم نہیں' سب اللہ کے محکوم ہیں۔ ع ''تمیز بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے''۔ تمام انسان پیدائشی طور پر برابر ہیں۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔ کوئی گورا کسی کالے سے اور کوئی کالا کسی گورے سے برتر نہیں۔ اسلام نے دنیا کو اخوتِ انسانی کا پیغام دیا کہ تم سب کے سب ایک ہی جوڑے کی اولاد ہو۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى﴾ ''اے لوگو! یقیناً ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا''۔ یعنی آدم اور حوا علیہما السلام سے۔ ﴿وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا﴾ ''اور تمہیں تقسیم کر دیا قوموں اور قبیلوں میں' تاکہ تم ایک دوسرے کا تعارف حاصل کرو (ایک دوسرے کو پہچانو)۔'' دنیا بھر کے انسانوں کی شکلیں بھی بدل دیں' رنگ بھی بدل دیے۔ یہ سب تعارف کے لیے ہے' کسی کو برتر ثابت کرنے کے لیے نہیں۔ ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ (الحجرات:۱۳) ''درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں

سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے''۔ جو بھی تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہے' برائی سے بچتا ہے' لوگوں کے حقوق تلف نہیں کرتا' لوگوں کی عزت سے نہیں کھیلتا وہی اللہ کے ہاں باعزت ہے۔

علم کے یہ دھارے سپین سے پورے یورپ کو جا رہے تھے' لیکن یہودی اُن میں سیاہی گھول رہے تھے۔ بقول شاعر ع ''کون سیاہی گھول رہا ہے وقت کے بہتے دریا میں؟'' چونکہ انہیں عیسائیوں سے انتقام لینا تھا' لہٰذا انہوں نے اس میں زہر گھولا۔ اور وہ اس طرح کہ آزادی کو مادر پدر آزادی بنا دیا' یعنی اخلاقی اقدار سے بھی آزادی' شرم و حیا سے بھی آزادی' سرمائے کے حصول اور استعمال کی آزادی۔ پھر خدا سے آزادی کے نتیجے میں سیکولرازم پیدا کر دیا کہ ریاست کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ کوئی مسجد جائے یا مندر' سینیگاگ میں جائے یا چرچ میں' لیکن نظامِ ریاست' قانونِ ملکی' نظامِ معاشرت میں کسی مذہب کا کوئی دخل نہیں ہوگا۔ یہ ہے سیکولرازم کی بنیاد! یہ بیج اس لیے بوئے گئے کہ سیکولرازم یہودیوں کے لیے بہت مفید تھا۔ ظاہر ہے اگر اکثریتی مذہب کی بنیاد پر کسی ملک کا نظام تشکیل پائے گا تو اقلیتی مذاہب کے افراد میں تفریق کی جائے گی۔ ایک عیسائی ریاست کا نظام مکمل طور پر عیسائیت ہی ہوگا اور یہودی وہاں دوسرے درجے کا شہری ہوگا اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ لہٰذا انہوں نے سیکولرازم کے ذریعے سب کو برابر کر دیا کہ ایک ملک کی حدود میں رہنے والے سب برابر کے شہری ہیں' چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان' سکھ ہوں یا عیسائی' پارسی ہوں یا یہودی۔ اس اعتبار سے وہ اوپر آ گئے اور عیسائیوں کے ہمسر' ہم پلہ' ہم کفو ہو گئے۔

اس کے نتیجے میں یورپ میں دو تحریکیں چلی ہیں۔ ایک تحریک احیاء علوم (Renaissance)' جس کے تحت جن علوم کے اوپر پوپ نے ڈھکن رکھا ہوا تھا وہ اٹھا دیا گیا کہ فلسفہ پڑھو' سائنس بھی پڑھو' دیکھو' استقراء کرو' نتیجے نکالو۔ پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ سورج گردش کر رہا ہے' زمین ساکن ہے۔ پھر ایک دور آیا جس میں کہا گیا کہ سورج ساکن ہے' زمین اس کے گرد گھوم رہی ہے۔ اس کے بعد ایک دور آیا جس میں

انسان پر یہ منکشف ہوا کہ کائنات کے تمام ستارے اور سیارے گردش میں ہیں۔ اور یہ حقیقت قرآن پہلے سے بیان کر چکا ہے: ﴿كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ کہ کائنات کی ہر چیز حرکت میں ہے۔ لہٰذا دیکھو، غور کرو، سوچتے رہو۔ اسی طرح قرآن نے کہا کہ: ﴿اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ..... (لقمان: ۲۰) ''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں موجود ہر چیز کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی ساری چیزوں کو تمہارا خدمت گار بنایا ہے۔ سورج تمہارا خدمت گار ہے، چاند تمہارا خدمت گار ہے، تم انہیں مسخر کر سکتے ہو، ان کے ذریعے سے توانائی اور قوتیں حاصل کرو۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ آج سورج سے توانائی حاصل کی جا رہی ہے۔ شمسی توانائی سے بجلی بنانے اور کاریں چلانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ یہ چیزیں تمہارے فائدے کے لیے ہیں، یہ تو تمہاری خادم ہیں، لیکن تم نے انہیں خدا بنا دیا؟ یوں یورپ میں سائنس اور فلسفہ کا فروغ ہوا۔ یورپ میں دوسری تحریک اصلاحِ مذہب (Reformation) کی چلی، جس کے نتیجے میں مذہب اور پاپائیت سے بغاوت ہو گئی۔

یہودیوں نے تیسرا کام یہ کیا کہ سود کو جائز کر دیا۔ جب تک پوپ کا نظام تھا اس وقت تک پورے یورپ کے اندر سود حرام تھا۔ انفرادی سطح پر مہاجنی سود اور تجارت میں کمرشل انٹرسٹ دونوں حرام تھے۔ پروٹسٹنٹ طبقہ نے پوپ کے خلاف احتجاج کیا اور سب سے پہلے اپنا چرچ علیحدہ کر لیا۔ یوں برطانیہ میں ''چرچ آف انگلینڈ'' وجود میں آیا۔ سب سے پہلا بینک ''بینک آف انگلینڈ'' بھی برطانیہ میں قائم ہوا۔ یہ بھی یہودیوں کی ایجاد تھی۔ بقول علامہ اقبال:۔

ایں بنوک ایں فکرِ چالاکِ یہود
نورِ حق از سینۂ آدم ربود

یہ بینک یہود کی عیاری والی فکر کی پیداوار ہیں جس نے آدم کے اندر روحِ ربّانی (Devine spark) کا خاتمہ کر دیا۔

تا تہہ و بالا نہ گردد ایں نظام
دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

جب تک اس سودی نظام کا خاتمہ نہیں ہوگا' بینکوں کی بساط نہیں لپیٹی جائے گی' اُس وقت تک نہ تہذیب کا کوئی معاملہ ہوسکتا ہے نہ دانش کا اور نہ دین کا۔

قرآن نے یہ کہا تھا کہ پیدائشی طور پر تمام انسان مساوی ہیں۔ پیدائشی طور پر کوئی گھٹیا یا اعلیٰ نہیں۔ ہاں' بعد میں ایک شخص علم زیادہ حاصل کر لیتا ہے' ایک شخص متقی زیادہ بن جاتا ہے' یہ اکتسابی (acquired) چیزیں ہیں۔ پیدائشی طور پر مَرد اور عورت بھی برابر ہیں۔ ﴿بَعۡضُكُم مِّنۢ بَعۡضٍ﴾. ایک ہی باپ کے نطفے سے بیٹی بھی ہے بیٹا بھی' اور ایک ہی ماں کے رحم میں پرورش پائی ہے بیٹے نے بھی اور بیٹی نے بھی۔ اس حیثیت میں بیٹا افضل نہیں ہے۔ مرد کی قوامیت گھر کے انتظامی معاملات کے اندر اور خاندان کی سربراہی کے حوالے سے ہے۔ یہود نے اسے نہیں مانا اور معاشرتی سطح پر مرد اور عورت کو برابر ٹھہرایا۔ یہ مساوات کا وہ غلط تصور تھا جس نے خاندانی نظام کو تہہ و بالا کر دیا۔ ڈارون نے انسان کی حیثیت یہ معین کی کہ انسان بھی نرا حیوان ہی ہے۔ چمپینزی اور انسان میں کیا فرق ہے! بس یہی جو گدھے اور گھوڑے میں ہے۔ ایک refined animal ہے' ایک ذرا coarse ہے۔ تو پھر یہ شرم و حیا' عصمت و عفت تم کہاں سے لے آئے ہو؟ انسان حیوانوں کی طرح جیسے چاہے اپنی تسکین کرے۔ یہ امر خالصتاً ذاتی نوعیت کا ہے کہ کوئی مرد' مرد سے تسکین حاصل کر لے اور عورت' عورت سے تسکین حاصل کر لے' یا ایک مرد مختلف عورتوں سے آزادی کے ساتھ جب چاہے تسکین حاصل کرے۔ پیاس لگے تو جہاں سے چاہو پانی پی لو۔ خواہ مخواہ یہ بندھن بنا دیے گئے ہیں اور عورت کو تابع کر دیا گیا ہے۔ یہ تو مساواتِ مَرد و زن کے نظریے کے خلاف ہے۔ انہیں گھروں سے نکالو اور بازاروں' مارکیٹوں اور سیاست کے اندر لاؤ۔ اس طرح ان تینوں چیزوں یعنی شوہر اور بیوی کی حیثیت سے مساوات' طلاق کا مساوی حق اور وراثت میں برابری کا معاملہ' اس نے وہاں کے خاندانی نظام کا بیڑا غرق کر دیا۔

اس پوری کائنات میں شر کے منبع اور سرچشمہ شیطانِ لعین کا انسانوں میں سب سے بڑا ایجنٹ یہودی ہے' اور یہود کا سب سے بڑا آلۂ کار پروٹسٹنٹ عیسائی ہے' خصوصاً وائٹ اینگلو امریکن پروٹسٹنٹس اور وائٹ اینگلو سیکسن پروٹسٹنٹس۔ انہی کے ذریعے سے یہودیوں نے چرچ کو علیحدہ کرایا' انہی کے ذریعے سے سود کی اجازت لی اور بینک آف انگلینڈ بنایا۔ یہ تہذیب یورپ میں پھیلتی چلی گئی۔ پوپ کے خلاف شدید نفرت پیدا ہوگئی' کیونکہ انہوں نے بہت دبا کر رکھا تھا کہ سائنس پڑھو نہ فلسفہ۔ تو ردّعمل کے طور پر مذہب سے بغاوت پیدا ہوئی اور مذہب دشمنی کا رویہ فروغ پانے لگا۔ مذہب کو کسی شخص کے ذاتی فعل تک محدود کر دیا گیا۔ کوئی شخص اپنے گھر میں نماز پڑھے' روزہ رکھے یا کسی قسم کی کوئی اور عبادت کرے' لیکن ریاست کے سیاسی' معاشرتی اور معاشی نظام (Politico-socio-economic system) سے مذہب کا کوئی تعلق نہیں ہوگا' چاہے وہ اسلام ہو یا عیسائیت' یہودیت ہو یا کوئی اور عقیدہ۔ یورپ میں یہ تہذیب پروان چڑھی ہے' جس کی بنیاد سیکولرازم' سود پر مبنی سرمایہ داری اور لذت پرستی (hedonism) پر ہے۔

اس دوران علم کی دوسری آنکھ بند کر دی گئی اور وحی کی جانب بالکل نہیں دیکھا گیا۔ لہٰذا دنیا میں یہ دجالیت قائم ہوئی ہے۔ سیکولرازم کے تحت مذہب کا تعلق انسان کی اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں سے بالکل ختم کر دیا گیا۔ سود کے ذریعے یہودیوں نے پہلے یورپ کو جکڑا تھا' اب وہ چاہتے ہیں کہ پوری انسانیت ہمارے قبضے میں آ جائے۔ ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف جیسے ادارے اسی لیے وجود میں لائے گئے ہیں۔ اب گلوبلائزیشن ہو رہی ہے' TRIPS کا معاہدہ آ رہا ہے۔ پہلے جو نوآبادیاتی استعمار ہوتا تھا' اس میں کوئی طاقت جنگ کے ذریعے کوئی سرزمین فتح کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کرتی تھی' لیکن پھر اس کے خلاف بغاوت بھی ہوتی تھی۔ جیسے ۱۸۵۷ء میں برعظیم میں ہوا جس کے نتیجے میں کافی انگریز مارے گئے۔ چنانچہ مسلسل محاذ آرائی کی کیفیت رہتی۔ اب وہ کہتے ہیں کہ وہاں جا کر قبضہ کرنے کا کیا فائدہ! ہمیں تو وہاں سے معاشی

مفادات حاصل کرنا ہیں' اس لیے پوری دنیا کو ان بینکوں کے جال میں جکڑ لو' پوری دنیا کام کرے لیکن اس کی کمائی کی بالائی ہم سود کے ذریعے سے کھینچ لیں گے۔ یہ فنانشل کلونیلزم ہے جو اِس وقت دنیا کے اندر اپنی جکڑ بندی کر رہا ہے۔ گلوبلائزیشن جب پورے عروج پر آ جائے گی' جب TRIPS کا معاہدہ ہو جائے گا تو ملک بے معنی ہو جائیں گے' حکومتوں کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہو گی' اصل میں ملٹی نیشنل کمپنیاں حکومت کر رہی ہوں گی۔ وہ اپنے مینیجرز کو جو تنخواہیں دیتی ہیں' سرکاری ملازمت میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ درحقیقت یہود کا وہ سارا نظام ہے جس نے پہلے یورپ کو جکڑا' پھر امریکہ کو اور اب وہ پوری دنیا کو جکڑنا چاہتا ہے۔

بدقسمتی سے اسی تہذیب کو آج ہم چاہتے ہیں۔ ہمارے صدر سمیت حکومتی حلقوں میں سیکولر ذہن رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ وہ سود کو جائز سمجھتے ہیں' انہیں اس میں کوئی غلط بات نظر نہیں آتی۔ اسی طرح بے حیائی کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ صدر صاحب نے صاف کہہ دیا ہے کہ جو لوگ لڑکیوں کی ننگی رانیں نہیں دیکھ سکتے وہ اپنی آنکھیں بند کر لیں' ٹی وی کو آف کر دیں۔ ہم تو خواتین کو کرکٹ بھی کھلائیں گے اور ہاکی بھی۔ جو انہیں نیکروں میں نہیں دیکھ سکتا وہ نہ دیکھے۔ اسمبلیوں میں ۳۳ فیصد سیٹیں دے کر ہم ایک دم چالیس ہزار عورتوں کو گھروں سے نکال کر میدان میں لے آئے ہیں۔ یہودیوں کا جو پروگرام اس وقت دنیا میں چل رہا ہے' ان کے اوّلین آلۂ کار برطانیہ اور امریکہ ہیں۔ یہ دونوں یک جان دو قالب (Hand in glove) ہیں۔ باقی عیسائی دنیا بھی ان کے تابع ہو چکی ہے۔ اب یہ اس کو گلوبلائز کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جو بھی ان کی تعلیم پا کر آتا ہے' ان کی تہذیب کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ ایسے تمام افراد اُن کے ایجنٹ ہیں' چاہے وہ عرب ہوں یا غیر عرب' ہندوستانی ہوں یا پاکستانی۔ ان کی برین واشنگ کی جا چکی ہے۔ بقول شاعر:ؔ

اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا
کیا اسیری ہے' کیا رہائی ہے!

انہوں نے یہاں کی سول سروس اور فوج کی ایک خاص نہج پر تربیت کی ہے۔ وہ اگرچہ چلے گئے ہیں لیکن درحقیقت by proxy حکومت انہی کی ہو رہی ہے۔ انہی کے غلام' کاسہ لیس اور انہی کے جوتوں کی ٹوچا ٹنے والے اس وقت عالمِ اسلام پر حکمران ہیں۔

آج اس تہذیب کو پوری دنیائے اسلام میں جو شخص سب سے بڑھ کر فروغ دینے کی کوشش کر رہا ہے' وہ ہمارے صدر مشرف ہیں۔ اور ان کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ میں انہیں اس بات کا کریڈٹ دیتا ہوں کہ جو بات ان کے ذہن میں ہوتی ہے وہ بلا جھجک کہہ دیتے ہیں۔ انہوں نے اقتدار سنبھالتے ہی کہہ دیا تھا کہ میرا آئیڈیل اتاترک ہے۔ اتاترک نے تو عربی اذان بھی بند کرا دی تھی' عربی میں نماز پڑھنا اور خواتین کا برقع اوڑھنا حرام ٹھہرایا تھا جبکہ انگریزی لباس پہننا لازم کر دیا تھا۔ مشرف صاحب کے بچپن کا کچھ حصہ ترکی میں گزرا ہے۔ وہ ترکی زبان بھی جانتے ہیں۔ ان کے والد ترکی میں پاکستان کے سفارت خانے میں کسی عہدے پر فائز تھے۔ اس اعتبار سے وہ جو کچھ کر رہے ہیں یقیناً اُس کے مطابق ہے جو انہوں نے پہلے دن کہا تھا۔ انہوں نے ۳۳ فیصد عورتوں کو اسمبلیوں میں بٹھانے کا جو قدم اٹھایا ہے' ایسا تو آج تک دنیا کے کسی ملک میں نہیں ہوا۔ کسی مسلمان ملک تو کجا' امریکہ میں نہیں ہے جو جمہوریت کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ ہندوستان میں بھی نہیں ہے' جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں جمہوریت کا ہونا ایک معجزہ ہے۔ خواندگی کی شرح اتنی کم ہے' لیکن پھر بھی جمہوریت کام کر رہی ہے۔ وہاں پہلے دن جو گاڑی دستور کی پٹڑی پر چلنی شروع ہوئی تھی' وہ آج تک چل رہی ہے۔ وہاں کبھی کوئی فوجی حکومت نہیں آئی۔ ایک بار تھوڑے سے عرصے کے لیے ایمرجنسی لگی تھی' لیکن وہ بھی کوئی بالائے دستور کام نہیں تھا۔ وہاں یہ کبھی نہیں ہوا کہ ایک آیا تو سارا دستور ختم کر کے اپنا بنا رہا ہے' دوسرا آیا تو پھر سارا دستور ختم کر کے ججوں سے پی سی او کے تحت حلف اٹھوا رہا ہے۔ یہ کھیل پاکستان میں ہوا ہے۔ اب اس میں سب سے بڑھ کر انہوں نے یہ کیا ہے کہ عورتوں کو گھر سے نکالو' انہیں میدان کے اندر لاؤ۔ جو نہیں دیکھنا چاہتے وہ آنکھیں بند کر لیں۔ قدامت پرست' انتہا

پسند لوگ یہ چاہتے ہیں کہ عورت کا جسم ڈھکا رہے' یہ چاہتے ہیں کہ عورت برقعے اور پردے کے ساتھ گھر سے نکلے۔ ان دقیانوسی اور تاریک خیال ملاؤں کے پیروکاروں کا زمانہ گزر گیا۔ یہ اگلے وقتوں کے لوگ ہیں' روشن خیالی ہر حال میں ہوگی۔ جیسے کبھی اکبر الٰہ آبادی نے کہا تھا کہ: ؎

چیز وہ ہے بنے جو یورپ میں
بات وہ ہے جو پانیئر میں چھپے

اسی طرح آج تہذیب وہ ہے جو یورپ کی ہے۔ علامہ اقبال نے کہا اس کا Inner core اسلامی اور قرآنی ہے' لیکن اس کے گرد جو غلاف چڑھا دیے گئے ہیں وہ انتہائی خطرناک ہیں۔ اس آزادی کو مادر پدر آزاد بنا دیا گیا ہے کہ اللہ سے بھی آزاد' اخلاقی حدود و قیود سے بھی آزاد' شرم و حیا کی قیود سے بھی آزاد' سرمایہ آزاد' سرمایہ کو کھل کھیلنے دو' سود کے اوپر جاتا ہے تو ٹھیک ہے۔ آج اس سارے نظام کا نام روشن خیالی ہے۔ حالانکہ یہ تاریک ترین خیال ہے۔ انسان اپنی عظمت اور اشرف المخلوقات کے منصب سے حیوانیت کی طرف رجوع کر رہا ہے۔

موجودہ تہذیب کے Quranic core کے اوپر جو پردے چڑھائے گئے ہیں' میں نے آج تجزیہ کر کے آپ کو بتا دیا ہے کہ ان کا تاریخی پس منظر کیا ہے' یہ کس نے چڑھائے' کیوں چڑھائے اور اس کا سب سے بڑا فائدہ کس کو ہوا! اس کے نتیجے میں یہودی جو دنیا کے اندر اقلیت میں تھے' آج برابر کے شہری بن چکے ہیں اور پوری دنیا کو کنٹرول کر رہے ہیں اور اب یہ سیلاب یو این او کے ذریعے آ رہا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ سیکولرازم تو ہم نے پوری دنیا کے اندر قائم کر دیا' اسی طرح سود پر مبنی بینکنگ پوری دنیا میں قائم ہو گئی۔ البتہ شرم و حیا' خاندانی نظام' کچھ اخلاقی اقدار اور شادی بیاہ کی کچھ حیثیت عالمِ اسلام میں ابھی باقی ہے۔ اسی لیے ہنٹنگٹن نے کہا تھا کہ اب تہذیبوں کا تصادم ہوگا۔ جب یو ایس ایس آر کا خاتمہ ہوا تو ایک بڑے امریکی فلسفی اور پولیٹیکل سائنٹسٹ فوکویاما نے ''End of History'' کے نام سے کتاب لکھی تھی۔ اس

نے کہا تھا کہ اب ثابت ہو گیا ہے کہ ہمارا نظام ہی بہترین نظام ہے۔ ہمارے معاشی نظام کے مقابلے میں کمیونزم آیا تھا' اس کی لاش پڑی سڑ رہی ہے۔ ہماری تہذیب سب سے اعلیٰ ہے' کوئی ہمارے مقابلے میں نہیں۔ اس کے بعد ہنٹنگٹن نے لکھا کہ نہیں' فوکویاما کو مغالطہ ہوا ہے' ابھی تہذیبوں کا تصادم ہو گا۔ اس نے کہا کہ ٹائن بی کے مطابق پوری تاریخ انسانی میں بیس تہذیبیں پیدا ہوئیں' ان میں سے بارہ مر چکی ہیں' جبکہ اب دنیا میں صرف آٹھ تہذیبیں باقی ہیں۔ ایک ہماری تہذیب ہے' اس کے علاوہ سات اور ہیں۔ ان سات میں سے بھی پانچ کو ہم آسانی سے اپنے اندر جذب کر لیں گے' البتہ دو ذرا لوہے کے چنے ثابت ہوں گی۔ ان میں سے ایک اسلامی تہذیب ہے اور دوسری چین کی کنفیوشس تہذیب۔

ایسی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے اس نے مشورہ دیا کہ ایک تو چین کا رُخ مغرب کی طرف نہ ہونے دو' اس لیے کہ چین کے مغرب میں عالمِ اسلام ہے۔ اس کا رجحان مشرق کی طرف رکھو۔ چنانچہ اسی تجویز پر ایشیا پیسیفک اکنامک کوآپریشن (APEC) کی تنظیم قائم ہوئی۔ دوسرا مشورہ اس نے یہ دیا تھا کہ مسلمانوں کے مذہبی اختلافات کو ابھارو' انہیں لڑاؤ۔ اس طرح یہ ہمارے مدمقابل نہیں بن سکیں گے۔ چنانچہ ہمارے ملک میں جو مذہبی فسادات ہوتے ہیں ان کی نوعیت مکمل طور پر مقامی نہیں ہے' بلکہ یہ ایک بہت بڑی عالمی سازش کا نتیجہ ہیں۔ کچھ لوکل سازشیں بھی ہیں' ''را'' اور ''موساد'' کا کام بھی ہے' کچھ ایران اور سعودی عرب کے درمیان ہونے والی کشاکش کا بھی مظہر ہے' لیکن سب سے بڑھ کر یہ ایک عالمی سازش بھی ہے۔ چنانچہ اب ہم پر یو این او کے ذریعے حملہ کیا جا رہا ہے۔ پہلے قاہرہ کانفرنس منعقد ہوئی' پھر بیجنگ کانفرنس' اس کے بعد بیجنگ پلس فائیو کانفرنس۔ یہ سب اقوام متحدہ کے ادارے کے زیر اہتمام منعقد ہوئیں۔ ان کی سفارشات اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاس ہوئی ہیں اور اسے اب ''سوشل انجینئرنگ پروگرام آف دی یونائیٹڈ نیشنز آرگنائزیشن'' کا نام دیا گیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ مشرقی

معاشرے کی دقیانوسی بنیادوں کو منہدم کر دیا جائے۔ ایک بوسیدہ عمارت کو گرا کر ہی وہاں دوسری عمارت بن سکے گی۔ چنانچہ مشرق کی تہذیب کو گرایا جا رہا ہے تاکہ مغربی تہذیب اوپر چھا جائے۔

اس ضمن میں جیسا کہ میں نے عرض کیا' ہماری موجودہ حکومت سب سے بازی لے گئی ہے۔ پوری اسلامی دنیا میں ہمارے حکمران اس نئی تہذیب کے سب سے بڑے آلۂ کار ہیں۔ ان کے نزدیک سیاست سے مذہب کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ سود کی حرمت کی بات کرنے پر کہا جاتا ہے کہ پرانی دنیا کی باتیں کرتے ہو' آج تو یہی چلے گا۔ حکومت کی پوری پالیسی امریکہ ڈکٹیٹ کر رہا ہے۔ نائن الیون کے بعد ہم نے ایک دم جو یوٹرن لیا تھا' اس سے ہر چیز تلپٹ ہو گئی ہے۔ پہلے ہم کشمیریوں کی پشت پناہی کر رہے تھے' اب ہمارے سب سے بڑے اتحادی (ally) سید علی گیلانی کا بیان آ گیا ہے کہ پاکستان جال میں پھنس گیا ہے۔ ہمارا ہمیشہ سے یہ موقف رہا ہے کہ پہلے کشمیر کا مسئلہ حل کرو' پھر باقی معاملات کو معمول پر لانے کا عمل شروع ہو گا' لیکن آج Normalization قدم بقدم بڑھتی جا رہی ہے اور ایک وقت آئے گا کہ یہ لکیریں بے معنی ہو جائیں گی۔ سرحد پار سے جو لوگ بھی آتے ہیں یہی کہتے ہیں کہ یہ لکیر مٹا دینی چاہیے اور ہمیں باہم مل جانا چاہیے۔ دو مرتبہ مشرقی پنجاب کا وزیر اعلیٰ آ کر یہ کہہ گیا ہے کہ ہمیں ایک ہو جانا چاہیے۔ ایڈوانی نے پہلی مرتبہ کہا تھا کہ کنفیڈریشن ہو جانی چاہیے۔ امریکی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس نے اپنے حالیہ دورے کے بعد جا کر یہ بیان دیا ہے کہ ہمیں اور بھارت کو سٹریٹیجک اعتبار سے مشورہ کرنا ہو گا کہ پاکستان کا مستقبل کیا ہو! باقی دنیا کہہ رہی ہے یہ غیر مستحکم ہو جائے گا' بلکہ اس کے دنیا کے نقشے سے مٹ جانے کا امکان ہے۔

ایک اور بات بھی سامنے آئی ہے جو میرے لیے بڑی چشم کشا ہے۔ قومی ڈائجسٹ کی ایک حالیہ اشاعت میں پاکستان کے سابق سیکریٹری خارجہ اور مسلم لیگ (ن) کے اہم رہنما اکرم ذکی کا انٹرویو شائع ہوا ہے' جس میں انہوں نے کہا ہے کہ یہ لکھ

کر رکھ لو' ہندوستان بہت جلد پاکستان پر ایک بڑا حملہ کرے گا۔ میری تو یہ رائے نہیں بنتی' اس لیے کہ جب گڑ کھلا کر مارا جا سکتا ہو تو زہر دینے کی ضرورت کیا ہے! پاکستان تو خود ہی مر رہا ہے' اُن کے جال میں پھنس رہا ہے۔ آج کشمیری مجاہدین اور حریت پسندوں کے ہم اور بھارت دونوں مشترکہ دشمن ہو گئے ہیں۔ دونوں نے ان کی مذمت کی ہے۔ کشمیریوں کا موقف یہ ہے کہ پہلے مسئلہ کشمیر حل کراؤ' اس کے بعد یہ آنا جانا اور تعلقات میں گرم جوشی شروع ہو۔ یہی موقف ہمیشہ سے پاکستان کا بھی رہا ہے۔ اس جدوجہد میں کشمیریوں نے اتنی جانیں دے دیں! ہمارے کتنے نوجوانوں نے یہاں سے جا کر وہاں پر موت کو سینے سے لگایا ہے! کیا یہ قربانیاں اس لیے تھیں کہ اپنے موقف سے پیچھے ہٹ جائیں؟

اس ضمن میں آخری بات میں یہ کہوں گا کہ ہماری مذہبی جماعتوں کا کردار بہت مشکوک اور بہت غلط ہے۔ میرے نزدیک وہ اس چیز کے مجرم ہیں کہ جب پاکستان میں پہلی مرتبہ خواتین کو ۳۳ فیصد نمائندگی دینے کا فیصلہ ہوا تو کسی نے اس کے خلاف بیان تک نہیں دیا۔ دراصل ان کی گھٹی میں انتخابات ایسے پڑ گئے ہیں کہ انہوں نے سوچا اگر ہم نے کوئی مظاہرہ کیا یا اس کے خلاف آواز اٹھائی تو کہیں انتخابات ملتوی ہی نہ ہو جائیں۔ اب بھی انہوں نے جو ''کاروانِ جمہوریت'' چلایا ہے یہ ''کاروانِ اسلام'' تو نہیں ہے۔ جب عوامی تحریک چلانی ہو تو ساری بے اطمینانیوں کو جمع کرنا پڑتا ہے۔ اگر قیمتیں بڑھ رہی ہیں تو کوئی آج سے تو نہیں بڑھ رہیں۔ پٹرول کی قیمت بڑھ رہی ہے' یہ تو تدریجاً بڑھتی رہی ہے۔ سندھ کے اندر بے اطمینانی ہو رہی ہے۔ بلوچستان میں تو بے اطمینانی کا باپ ہو رہا ہے۔ مذہبی حلقے میں بھی بے اطمینانی ہے' کیونکہ روشن خیالی کے نام سے جو کچھ آ رہا ہے یہ انہیں پسند نہیں ہے۔ ان ساری بے اطمینانیوں کو جمع کریں گے تو کوئی موومنٹ بنے گی نا! پی این اے میں اسلام پسند جماعتوں کے ساتھ انتہائی سیکولر عناصر بھی جمع ہو گئے تھے۔ ایئر مارشل اصغر خان' پیر پگاڑا' ولی خان' ان سے بڑا سیکولر کوئی ہو گا! یہ سب پی این اے میں تھے۔ جب اسے بپتسمہ دیا گیا اور نظامِ مصطفیٰ

کی تحریک بنایا گیا' تب لوگوں نے جانیں دی ہیں۔ جمہوریت کے نام پر پاکستان میں کوئی جان نہیں دے گا۔

متحدہ مجلس عمل کیا ہے؟ ایک مہمل سا نام ہے۔ متحدہ مجلس عمل کے معنی کیا ہیں؟ کاہے کا عمل؟ اس میں اسلام کا نام تک نہیں۔ حکومت کی طرف سے اتنا بڑا اقدام اٹھایا گیا اور یہ چپ بیٹھے رہے۔ جنرل مشرف نے ہمارے سیاسی اور معاشرتی نظام کے اندر اتنی بڑی چھلانگ لگائی اور یہ کچھ نہ بولے۔ اسی انتظام کے تحت الیکشن بھی لڑے' اسی کے تحت عورتوں کی سیٹوں کے لیے بھی مقابلہ کیا۔ مزید یہ کہہ دیا کہ ہم طالبان نہیں ہیں۔ جن شہداء کے خون کی بدولت انہیں اقتدار ملا ہے آج انہی سے اعلانِ براءت کر رہے ہیں۔ جو کچھ مشرف نے کیا ہے وہی یہ کر رہے ہیں۔ کہا جا رہا ہے کہ ہم طالبان نہیں' ہم عورتوں کو برقع اوڑھنے پر مجبور نہیں کریں گے۔ کیوں؟ اسلام میں پردہ ہے یا نہیں؟ انہیں کم از کم صوبہ سرحد میں' جہاں سو فیصد ان کی حکومت ہے' وہاں تو شریعت نافذ کرنی چاہیے۔ سعودی عرب میں آج بھی شرعی قوانین نافذ ہیں۔ وہاں گھر کے اندر ان کی عورتیں بالکل یورپین لباس میں ہوتی ہیں لیکن جب باہر نکلتی ہیں تو برقع لے کر نکلتی ہیں۔ بہرحال حکومت تو جو کچھ کر رہی ہے کر رہی ہے' لیکن ہماری دینی جماعتوں کا رول بھی صحیح نہیں ہے۔

اب سوچنا یہ ہے کہ کرنا کیا چاہیے! اس سلسلے میں افراد کو اٹھنا پڑے گا۔ انہیں وہ کچھ کرنا ہوگا جو ساٹھ ستر سال پہلے مولانا ظفر علی خان نے کہا تھا۔

تہذیبِ نَو کے مُنہ پہ وہ تھپڑ رسید کر
جو اِس حرام زادی کا حلیہ بگاڑ دے!

اپنی تہذیب کے دفاع میں کھڑا ہونا پڑے گا' لیکن جب تک خالص اسلام کے حوالے سے تحریک نہیں چلے گی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ گڈمڈ کر کے تحریک چلاؤ گے تو گڈمڈ نتیجہ نکلے گا۔ ایوب خان ہٹے گا تو یحییٰ خان آ جائے گا' یحییٰ خان جائے گا تو بھٹو صاحب آ جائیں گے' اسی طرح کے لوگ آتے رہیں گے۔ اکبرالٰہ آبادی نے کہا تھا۔

ہم ایسی سب کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں!

یہ پوری تہذیب ہم پر ٹھونسنے کا جو معاملہ ہو رہا ہے یہ لائقِ ضبطی ہے۔ یہ دو اشعار مجھے بہت پسند ہیں جو میں نے پہلے بھی آپ کو سنائے ہیں: ؎

میں نے دیکھا ہے کہ فیشن میں الجھ کر اکثر
تم نے اسلاف کی عزت کے کفن بیچ دیے
نئی تہذیب کی بے روح بہاروں کے عوض
اپنی تہذیب کے شاداب چمن بیچ دیے!

اصل تہذیب تو ہماری تھی۔ مغرب کی کیا تہذیب ہے! وہاں تو تہذیب کا بیڑا غرق ہو چکا ہے۔ آج مغرب ٹیکنالوجی میں اپنی برتری کی بنیاد پر کھڑا ہے' تہذیب کی بنیاد پر نہیں۔ ان کی تہذیب تو سنڈاس بن چکی ہے۔ جس ملک کا صدر یہ کہتا ہو کہ عنقریب ہماری قوم کی اکثریت حرام زادوں پر مشتمل ہوگی وہاں تہذیب کہاں رہی! اقبال کا کہنا غلط نہیں تھا کہ ع ''تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی''۔ ان کی تہذیب مر چکی ہے' البتہ ان کا تمدن ابھی کچھ کھڑا ہے' سیاسی نظام میں کچھ جان ہے اور ٹیکنالوجی کھڑی ہوئی ہے۔ ساری طاقت ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر ہے' جس کی اقبال نے پیشین گوئی کی تھی کہ ؎

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردیٔ مؤمن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا!

یہ درندے ہیں جن کی درندگی پہلے افغانستان میں دیکھ لی گئی' اب عراق میں دیکھی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ اس معرکۂ روح و بدن میں ہم عملی طور پر کام کرتے ہوئے میدان میں نکلیں۔ (مرتب: محمد خلیق)

شریعت میں نکاح کی آسانی

مولانا محمد شہاب الدین ندوی

اسلام میں شادی بیاہ کا معاملہ بہت سادہ اور آسان رکھا گیا ہے' لیکن مسلمانانِ پاک و ہند نے ہندوانہ رسوم و رواج کو اپنا کر شادی بیاہ کی تقریبات کو بہت مشکل بنا لیا ہے۔ حساس اور دردمند دل رکھنے والے اکابرین ملت ہر دور میں اہل اسلام کو توجہ دلاتے رہے ہیں کہ وہ اپنی معاشرت کو ہندوانہ رسوم و رواج سے پاک کریں اور اپنی گردنوں کو ان اِصر و اَغلال سے آزاد کرائیں۔ پاکستان میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ نے شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں جس اصلاحی تحریک کا آغاز فرمایا تھا اسے الحمدللہ اب کافی فروغ حاصل ہو چکا ہے۔ بھارت میں بھی بہت سے علماء کرام اس طرح کی اصلاحی کاوشوں میں مصروف ہیں۔ اس ضمن میں مولانا محمد شہاب الدین ندوی کا نام ایک نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ (ادارہ)

اسلامی قانون کی رُو سے نکاح ایک آسان اور سادہ ترین ضابطہ ہے' مگر وہ مختلف قوموں اور ان کے رسم و رواج کے باعث آج کل ایک مشکل اور پیچیدہ سماجی مسئلہ بن گیا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ اُمت جو اصلاح عالم کے لئے بھیجی گئی تھی وہ خود آج دیگر قوموں کے رسم و رواج سے متاثر ہو کر اسلامی قانون اور سنّت رسولؐ سے دور ہو چکی ہے۔

قصور کس کا ہے؟

اس اعتبار سے شادی بیاہ کا معاملہ آج ایک مشکل اور پیچیدہ مسئلہ بن گیا ہے اور خاص طور پر لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ۔ کیونکہ اول تو غیر قوموں کے میل جول کے باعث اس سلسلے میں ایسے بے شمار خرافات نے جنم لے لیا ہے جو خرچیلے تو ہیں ہی مگر نکاح سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور پھر جہیز اور جوڑے گھوڑے کے بھیانک رواج نے رہی سہی کسر بھی پوری کرتے ہوئے اچھے اچھوں تک کو دن میں تارے بھی دکھانے شروع کر دیئے ہیں۔ چنانچہ

جب شادی بیاہ کا نام آتا ہے تو متوسط ہی نہیں بلکہ بعض خوشحال لوگوں تک پر بھی اداسی چھا جاتی ہے اور وہ فکرمند ہو جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں سارا قصور ہمارا ہے اور ہم پر جو مصیبت نازل ہو رہی ہے اس کے ذمہ دار ہم خود ہیں' کیونکہ یہ سارے غیر ضروری رسوم و رواجات خود ہمارے ہی ایجاد کردہ ہیں' جن کے چکر میں پڑ کر روپیہ پانی کی طرح بہانا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلامی قانون و شریعت سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ اسلامی قانون تو دنیا بھر کے خرافات کو مٹانے اور نوع انسانی کو بوجھل زنجیروں سے آزاد کرانے کے لئے رحمت بن کر آیا تھا' مگر ہم نے اپنی نادانی یا دکھاوے کی خاطر اسلامی قانون سے ناطہ توڑ کر اپنے آپ کو پھر ہزاروں سال پرانے دور میں پہنچا دیا ہے اور وہی بوجھل زنجیریں پھر سے پہن لی ہیں جنہیں کاٹ کر اسلام نے ہم کو آزاد کرایا تھا اور چین و سکون اور سلامتی کا راستہ دکھایا تھا۔ اگر آج ہم اس ناقابل برداشت بوجھ کی شدت سے بلبلا رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس میں قصور صرف ہمارا ہی ہے' کیونکہ آج ہماری زندگی انتہائی مُسرفانہ اور ریاکارانہ بن گئی ہے اور ہم جادۂ حق سے نہ صرف ہٹ گئے ہیں بلکہ اپنے نمائشی طرزِ عمل کے ذریعے غریبوں کی زندگی بھی دوبھر کئے ہوئے ہیں۔

لہٰذا آیئے دیکھیں کہ اس سلسلے میں اسلام ہمارے لئے کیا رہنمائی پیش کرتا ہے اور ہم اپنی ناواقفیت کے باعث اپنی زندگی کو کس طرح ایک جہنم بنائے ہوئے ہیں۔

خلاّقِ عالم کا حسین تحفہ

عورت انسان ہونے کی حیثیت سے نہ صرف مرد کے برابر ہے' بلکہ وہ انسان کے لئے خلاّقِ عالم کا سب سے زیادہ قیمتی اور حسین تحفہ ہے جسے اس نے مرد کی تنہائی اور اس کی وحشت دور کرنے کی غرض سے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کی تصریح کے مطابق عورت مرد کی تسکین کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا﴾(الاعراف : ۱۸۹)

''وہی ہے جس نے تم کو ایک ہستی سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا ساتھی بنایا' تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے۔''

ظاہر ہے کہ جو لوگ خداوند کریم کے اس انمول تحفہ کی قدر کرتے ہیں وہ خوش و خرم زندگی گزارتے ہیں اور جو اس کی ناقدری کرتے ہیں وہ بہت جلد اس کی سزا بھی پا لیتے ہیں۔

اسی وجہ سے نکاح کر کے ازدواجی زندگی گزارنا انبیائے کرام کی سنت قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً﴾ (الرعد: ۳۸)

''ہم نے آپ سے پہلے یقیناً (بہت سے) رسول بھیجے اور انہیں بیویوں اور اولاد سے بھی نوازا تھا۔''

نکاح کرنا بھی عبادت ہے

نکاح اگرچہ بظاہر ایک دُنیوی فعل ہوتا ہے' مگر وہ اسلام کی نظر میں درحقیقت ایک عبادت بھی ہے' کیونکہ اس کے ذریعے بے شمار دینی و دُنیوی فوائد وابستہ ہیں۔ اسی وجہ سے اسے آدھا دین قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں مذکور ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص نکاح کرتا ہے تو وہ آدھے دین میں کمال حاصل کر لیتا ہے۔ تو اسے چاہئے کہ وہ بقیہ آدھے میں بھی اللہ سے ڈرے۔''

(ترغیب وترہیب: ۳/۴۲)

نیز ایک اور حدیث کے مطابق جن لوگوں کا رزق اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے ان میں سے ایک وہ شخص بھی ہے جو نکاح کر کے گناہوں سے بچا رہنا چاہتا ہو۔ (ترمذی: ۴/۱۸۴)

صحیح عورت کا انتخاب

اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ نکاح کا مقصد موج و مستی کرنا اور بچھڑے اڑانا نہیں ہے' بلکہ اس کا صحیح مقصد جنسی بے راہ روی سے بچنے کی غرض سے ایک پاکیزہ زندگی گزارنا' یعنی ایک صالح تمدن کی تعمیر کے لئے دل و دماغ کی یکسوئی' اپنی جانشینی کے لئے اولاد حاصل کرنا اور دیگر دینی اور دُنیوی فوائد ہیں۔ اسی بنا پر اسلام کی نظر میں نکاح کرنا بھی ایک عبادت ہے' کیونکہ اس سے نسلِ انسانی کے تسلسل کے ساتھ ساتھ ایک صالح تمدن کا ارتقاء بھی مطلوب ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں ایسی عورت کا انتخاب کرنا چاہئے جو اِن مقاصد کے حصول کی راہ میں مرد کی جیون ساتھی بن کر اس کی معاونت کر سکے۔ مگر اس کے برعکس آج عام طور پر معیار پیسے اور حسن کا ہو گیا ہے۔ یعنی بجائے مذکورہ بالا فوائد کے سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ لڑکی جہیز میں اپنے ساتھ کتنا مال اور کتنا پیسہ لائے گی؟ تو ظاہر ہے کہ یہ ایک غلط معیار ہے' کیونکہ مال و دولت تو ایک ڈھلتی چھاؤں ہے جو زیادہ دن ساتھ نہیں دے سکتی۔ لہٰذا ایک فانی چیز کی خاطر ہمیشہ کے سکون و راحت کو قربان کر دینا دانشمندی سے بعید ہو گا۔ اس لئے عقل مندی کا

تقاضا یہ ہے کہ نکاح کے لئے دین دار اور اچھے اخلاق والی لڑکی کو ترجیح دی جائے۔ جیسا کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا:

''کسی عورت سے چار باتوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے: (۱) اس کے مال کی وجہ سے (۲) اس کے خاندان کی وجہ سے (۳) اس کی خوبصورتی کی وجہ سے (۴) اس کی دین داری کی وجہ سے''۔ پھر فرمایا کہ: ''تم دین دار عورت کو منتخب کرلو۔''

(بخاری: کتاب النکاح ۶/۱۲۳)

خیر و برکت والی عورت

عورت کی سعادت و خوش بختی یہ ہے کہ وہ دین دار ہونے کے ساتھ ساتھ کم بوجھ والی بھی ہو۔ یعنی ایسی شاہ خرچ نہ ہو کہ شوہر کو کنگال اور دیوالیہ بنا کر چھوڑ دے اور کسی کا دیوالیہ ہونا زیادہ تر فضول خرچی کی بنا پر ہوتا ہے اور فضول خرچیاں زیادہ تر شادی بیاہ کے موقعوں پر کی جاتی ہیں۔ لہٰذا اس معاملہ میں میانہ روی اور کفایت شعاری کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی عورتوں کی بہت تعریف کی ہے اور انہیں بہت بابرکت بتایا ہے جن کا نکاح نہایت درجہ کفایت شعاری کے ساتھ آسان طور پر واقع ہوا ہو۔ آپؐ نے فرمایا:

''برکت کے اعتبار سے عظیم تر عورتیں وہ ہیں جو بوجھ کے اعتبار سے زیادہ آسان ہوں۔'' (مسند احمد: ۶/۱۴۵)

واقعہ یہ ہے کہ کفایت شعاری کی وجہ سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہیں اور فضول خرچی کی وجہ سے خدا کا غضب نازل ہوتا ہے' کیونکہ مال و دولت بھی خدا کی ایک امانت ہے۔

نوجوانوں کے بیاہ میں عجلت

کوئی لڑکا ہو یا لڑکی' جب بالغ ہو جائے تو اس کے نکاح میں جلدی کرنی چاہئے اور یہ بات شرعی و عقلی دونوں اعتبار سے ضروری ہے' ورنہ بعض صورتوں میں سنگین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ قرآن اور حدیث میں غیر شادی شدہ مَردوں اور عورتوں کا نکاح (بعجلت) کرا دینے کی تاکید اس طرح آئی ہے:

﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ .....﴾(النور: ۳۲)

''اور تم میں جو بے نکاح لوگ (مَرد اور عورتیں) موجود ہیں' ان کے نکاح کرا دو۔''

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ فرمایا: ''اے علی! تم تین باتوں میں تاخیر مت کرو: (۱) جب نماز کا وقت ہو جائے (۲) جب جنازہ حاضر ہو جائے (۳) جب

بے نکاح عورت یا مَرد کے لئے موزوں رشتہ مل جائے۔'' (ترمذی:۱/۳۲۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''جب تمہاری اولاد بالغ ہو جائے تو اُن کا نکاح کر دو اور ان کے گناہ مت اٹھاؤ۔'' (مسند فردوس)

نکاح مشکل کیوں؟

نکاح میں اگر چہ بہت سے معاشرتی وتمدنی اور روحانی فوائد پوشیدہ ہیں مگر بنیادی طور پر وہ انسانی ضرورت کی ایک چیز ہے۔ یعنی خلاقِ ازل نے انسان کی فطرت میں اپنی جنسِ مخالف سے ملاپ کرنے کا داعیہ پوری طرح سمو دیا ہے تا کہ انسان کاروبارِ حیات سے اُکتا نہ جائے' بلکہ وہ ایک حسین سہارے کے ساتھ انسانی تمدن کو آگے بڑھائے اور اس میں نئے گل وگلزار پیدا کرتا رہے۔ چنانچہ انسان کو جس طرح بھوک پیاس لگتی ہے' اسی طرح اس میں جنسی خواہش بھی پیدا ہوتی ہے' اور جس طرح بھوک پیاس مٹانے کا انتظام کیا جاتا ہے اسی طرح انسان کی جنسی خواہش پوری کرنے کی غرض سے بھی جائز اور آسان طریقوں کا اہتمام ضروری ہے' ورنہ اس کے بُرے نتائج بھی نکل سکتے ہیں اور بے جا قسم کی پابندیوں یا مشکلات سے کئی طرح کی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

اسی وجہ سے اسلام نے تاکید کی ہے کہ نکاح نہایت سادہ طریقے سے ہو اور فضول خرچی سے بچا جائے' جو تمام خرابیوں کی جڑ ہے' اور جہاں تک ہو سکے نکاح مسجدوں میں کیا جائے۔ ہمارے موجودہ رسم ورواج اور فضول خرچیاں تمام تر غیر قوموں کے میل ملاپ اور اندھی تقلید کا نتیجہ ہیں جن کو ترک کر کے صحیح اسلامی طریقہ اپنانا چاہئے۔ اسلامی قانون ہر امیر وغریب کے لئے خیر وبرکت کا باعث ہے' بلکہ وہ پوری دنیائے انسانیت کے لئے روشنی کی ایک کرن ہے۔ مگر ہم محض اپنی جہالت اور جھوٹی شان کی نمائش کی خاطر اس آسان ترین ضابطۂ حیات کو ترک کر کے معاشرے کو انتشار اور تباہی کے دہانے تک پہنچا چکے ہیں۔ لہٰذا اب ہمیں پوری طرح ہوش میں آ جانا چاہئے۔

نکاح کتنا آسان ہے!

اسلامی شریعت کی رُو سے نکاح کی کارروائی اس قدر آسان اور سیدھی سادی ہے کہ شاید غیر مسلم اس پر یقین نہ کریں' بلکہ ہو سکتا ہے کہ خود مسلمان بھی اس پر مشکل ہی سے یقین کریں۔ کیونکہ موجودہ خرافات اور خود ساختہ رسوم ورواجات کے پیچیدہ شکنجے میں پھنس کر آج وہ اسلامی قانون سے اس قدر دور بلکہ بیگانہ ہو چکے ہیں کہ اب انہیں اس کی صحیح شکل دیکھ کر بھی اسے سچ ماننے میں شاید تأمل ہو۔ بہر حال خواہ کسی کو یقین آئے یا نہ آئے مگر حقیقتِ واقعہ یہی

ہے کہ اسلامی ضابطہ کی رُو سے صرف دو گواہوں کی موجودگی میں ایک مَرد اور عورت یا ایک جوان لڑکا اور لڑکی بذاتِ خود یا بالواسطہ طور پر ایجاب وقبول کر لیں تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور کسی لمبی چوڑی کارروائی کی ضرورت ہی نہیں رہے گی اور اس طرح نکاح بیٹھے بیٹھے اور باتوں باتوں میں ہوسکتا ہے۔ صحیح اسلامی قانون کی رُو سے قاضی اور موجودہ رواج کے مطابق کسی باضابطہ ''وکیل'' کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ دورِ اسلام میں نکاح اسی طرح سادگی کے ساتھ ہوا کرتے تھے اور موجودہ دور کے مُسرفانہ اور پُر تکلف نکاح غیر مسلموں کی خرافات اور ان کی اندھی تقلید کا نتیجہ ہیں۔

دورِ رسالت کے چند نمونے

مختلف حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی دَور میں نکاح بالکل آسان طور پر اور بغیر کسی تیاری کے انتہائی سادگی کے ساتھ ہو جایا کرتا تھا۔ اِدھر رشتہ منظور ہوا' اُدھر فوراً اسی مجلس (بیٹھک) میں نکاح ہو گیا۔ نہ منگنی کی رسم ہے نہ بارا تیں' نہ زرق برق پوشاک ہے اور نہ دُور و نزدیک کے تمام رشتہ داروں کو اکٹھا کر کے میلہ ٹھیلہ کرانا' نہ بریانی کی دیگیں اتر رہی ہیں اور نہ ''سلامیاں'' وصول کی جارہی ہیں' اور نہ بنیے کے پاس جائیداد رہن رکھی جارہی ہے' جس کے نتیجے میں ایک دن کا سلطان کہلانے کے بعد دوسرے دن پھر وہی فقیر کے فقیر ہی رہتے ہیں۔

بہر حال اس موقع پر اسلامی دور کے چند نمونے ملاحظہ ہوں جن میں ہمارے لئے بہت سے اسباق موجود ہیں کہ نکاح اسلام میں درحقیقت کیا تھا اور اسے آج ہم نے کیا بنا کر رکھ دیا ہے؟

نکاح دو لفظوں میں

نکاح درحقیقت دو لفظوں کا نام ہے۔ چنانچہ دورِ رسالت کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک خاتون نبی کریم ﷺ کی مجلس میں حاضر ہو کر کہتی ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو آپؐ کے حوالے کر دیا (یعنی میں اپنے آپ کو آپؐ کی زوجیت میں دیتی ہوں) تو آپؐ فرماتے ہیں کہ آج کے دن مجھے عورتوں کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ اس پر ایک صحابیؓ عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! میرا اس عورت سے نکاح کرا دیجئے۔ آپؐ پوچھتے ہیں کہ تیرے پاس مہر میں دینے کے لئے کیا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر آپؐ پوچھتے ہیں کہ تمہیں قرآن کی کون کون سی سورتیں یاد ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں سورتیں۔ تب آپؐ فرماتے ہیں کہ قرآن کی جو سورتیں تمہارے پاس موجود ہیں اُن کے عوض میں نے تمہیں اس

عورت کا مالک بنا دیا۔ (بخاری: کتاب النکاح ۶/ ۱۳۶)

بس اتنا کہنے سے نکاح ہو گیا۔ نیز اس حدیث میں ہمارے لئے ایک دوسرا سبق یہ بھی ہے کہ نکاح سے پہلے مہر کا انتظام کرنا چاہئے۔ یہ نہیں کہ لمبا چوڑا مہر تو باندھ لیا مگر ادا کرنے کی نوبت ہی نہ آئی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا واقعہ

مشہور صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ دربارِ رسالت میں اس حال میں حاضر ہوئے کہ ان کے ہاتھ میں کچھ پیلا نشان (زعفران کا) موجود تھا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اے عبدالرحمٰن! یہ زردی کیسی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ میں نے ایک انصاری عورت سے نکاح کر لیا ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی کے ذریعے ہو۔ (بخاری: کتاب النکاح ۶/ ۱۱۸)

اس حدیث کے ذریعے جو سب سے بڑا سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ نکاح کے موقع پر دُور اور نزدیک کے تمام رشتہ داروں کو تو درکنار خود اپنے ''بزرگوں'' تک کو بلانا بھی ضروری نہیں ہے۔ ورنہ صحابی موصوف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت کے بغیر نکاح نہ کرتے' جبکہ آپؐ کو اس کی اطلاع ان کے ہاتھ کی زردی دیکھ کر ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اُن کے لئے بزرگ اور کون ہو سکتا تھا؟ مگر انہوں نے حصولِ برکت ہی کی نیت سے سہی آپؐ کی شرکت ضروری نہیں سمجھی۔ اس واقعہ سے اُس دَور کی معاشرت کی ایک واضح تصویر ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔

اس واقعہ میں دوسرا سبق یہ ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ولیمہ کرنے کے لئے کہا۔ چونکہ صحابی مذکور ایک مالدار آدمی تھے اس لئے آپؐ نے فرمایا کہ کم از کم ایک بکری کے ذریعے ولیمہ ہونا چاہئے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ولیمہ کرنا دلہا کی ذمہ داری ہے' دلہن والوں کی نہیں۔ لہٰذا دلہن والوں سے دعوت کا مطالبہ کرنا اور اس پر اصرار کرنا ایک غیر شرعی حرکت ہے۔

نکاح کا ایک انوکھا واقعہ

اس سلسلے میں سب سے زیادہ عجیب وغریب اور انوکھا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک قبیلے میں (سلمان فارسیؓ کے لئے) نکاح کا پیغام لے کر گئے اور جس گھر میں رشتہ کرنا تھا اس میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ داخل ہوئے' جبکہ سلمان فارسیؓ باہر ہی کھڑے رہے۔ حضرت ابودرداءؓ نے سلمان فارسیؓ کے فضائل بیان کئے کہ وہ کس طرح اسلام لائے اور اس سلسلے میں کیا کیا مشقتیں برداشت کیں۔ پھر ان

کا پیغام گھر والوں کو پہنچایا کہ وہ آپ کی فلاں لڑکی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم اپنی لڑکی کا بیاہ سلمانؓ کے ساتھ نہیں کر سکتے' البتہ تمہارے ساتھ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ تو اُسی وقت گھر کے اندر فوراً نکاح ہو گیا۔ پھر وہ باہر نکلے اور سلمان فارسیؓ سے کہا کہ اس موقع پر ایک ایسی بات ہو گئی ہے کہ اس کا ذکر کرتے ہوئے شرمندگی محسوس کر رہا ہوں' انہوں نے پوچھا کہ آخر بات کیا ہے؟ تو ابو درداءؓ نے واقعہ سنایا۔ اس پر سلمان فارسی ﷺ نے کہا کہ میں اس بات کا زیادہ مستحق ہوں کہ میں تم سے شرمندگی محسوس کروں' کیونکہ پیغام تو مَیں نے دیا تھا مگر وہ تمہارے مقدر کی چیز تھی۔ (مجمع الزوائد: ۴/ ۲۷۵)

یہ واقعہ اسلام میں رسم نکاح کی انتہائی سادگی کی ایک اچھوتی مثال ہے جو اس دَور کے مسلم معاشرہ کی بھی ایک منہ بولتی تصویر پیش کر رہا ہے۔

ارباب ثروت کے لئے ایک لمحۂ فکریہ

اسلامی احکام ہر امیر و غریب کے لئے خیر و برکت کا باعث ہیں۔ اگر اللہ نے کسی کو مال و دولت سے نوازا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ من مانے طور پر دولت لٹانا شروع کر دے اور نتیجے کے طور پر محتاج اور کنگال بن جائے۔ مال و دولت بھی اللہ کی ایک امانت ہے جس کا حساب انسان کو دینا پڑے گا۔ جو لوگ مال و دولت کے نشہ میں خدا کے احکام کو بھول کر بے جا اسراف اور فضول خرچی کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ غلط مثال قائم کر کے غریبوں اور کم حیثیت لوگوں کا جینا دوبھر کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اس راہ میں صالح نوجوانوں کو آگے بڑھ کر خرافاتی رسوم کو مٹانے کے لئے کمر بستہ ہو جانا چاہئے' ورنہ اس میدان میں کوئی انقلابی تبدیلی نہیں آ سکتی۔

اگر صحیح اسلامی طریقے کے مطابق اس قسم کی چند شادیاں ہونے لگ جائیں تو پھر وہ دوسروں کے لئے ایک نمونہ ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا اس نسخے کو آزمانے کی ضرورت ہے اور یہ عمل پورے مسلم معاشرے کی فلاح و بہبود کا باعث ہو گا اور اس سے مسلمانوں کا معاشی استحکام بھی ہو سکے گا۔ ظاہر ہے کہ ایک ٹھاٹ باٹ کی شادی پر جو رقم بے جا طور پر صرف کی جاتی ہے اگر وہی رقم کسی صنعت یا کاروبار میں لگائی جائے اور اس سے بے روزگار نوجوانوں کی مدد کی جائے تو مسلمانوں کی معاشی پسماندگی دور ہو سکے گی۔

سُنّتِ رسول ﷺ کا تابناک پہلو

بہر حال مذکورہ بالا واقعات ہمارے سامنے اسلامی معاشرہ اور اسلامی طرزِ حیات کی ایک صحیح اور سچی تصویر پیش کر رہے ہیں اور موجودہ تاریک اور گھٹا ٹوپ اندھیرے

میں ہمیں سنت رسولؐ اور سیرتِ صحابہؓ ایک منارۂ نور کی طرح دکھائی دے رہے ہیں جو موجودہ خرافات کی بوجھل زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو آزاد کرا سکتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ نبیٔ رحمت ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سادہ ترین طرزِ عمل موجودہ سسکتی بلکتی انسانیت کے لئے آب حیات کا درجہ رکھتا ہے۔ مگر ضرورت ہے کہ سب سے پہلے اس نسخۂ کیمیا پر وہ اُمت عمل کرے جو اس دین سے اپنی وابستگی کا دعویٰ کرتی ہو۔ اگر آج مسلمان اپنے پیارے نبی ﷺ کی پیاری سنت پر سچے دل سے عمل کریں تو نہ صرف پوری ملّتِ اسلامیہ کی کایا پلٹ سکتی ہے' بلکہ دنیائے انسانی اسلام کی معجزانہ ہدایت اور اس کی معجزانہ سچائی کا بھی بخوبی نظارہ کر سکتی ہے۔

مہر ادا نہ کرنا ایک بدترین جرم

خلاصہ یہ ہے کہ نکاح کی ضروری شرائط صرف دو ہیں: دو گواہوں کی موجودگی اور ایجاب و قبول۔ لیکن اگر نکاح کا اعلان عام ہو جائے تو یہ بات معاشرتی اعتبار سے زیادہ بہتر ہے مگر وہ شرط نہیں ہے۔ اسی وجہ سے نکاح مسجد میں کرنا مسنون قرار دیا گیا ہے' کیونکہ اس سے اعلان عام خود بخود ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ خطبۂ نکاح مستحب ہے' ضروری نہیں۔ اب رہا مہر تو اس کے تعین کے بغیر بھی اگرچہ نکاح تو صحیح ہو جاتا ہے مگر مہر ساقط نہیں ہوتا' بلکہ مہر مثل دینا پڑتا ہے۔

مہر عورت کا ایک شرعی حق ہے جو ہر حال میں فرض ہے۔ جو لوگ اسے ادا نہیں کرتے وہ گنہگار ہیں' اور جو ادا کرنے کی سرے سے نیت نہ رکھے وہ از روئے حدیث زانی ہے۔ جیسا کہ متعدد حدیثوں سے یہ بات ثابت ہے۔ مثلاً ایک حدیث ملاحظہ ہو:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی عورت سے کچھ مہر کے بدلے نکاح کرتا ہے' مگر وہ اسے ادا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تو وہ زانی ہے''۔ (سنن کبریٰ: ۷/۲۴۱)

موجودہ دور کے مسلمانوں پر افسوس ہوتا ہے کہ وہ غیر ضروری رسوم اور خرافات پر روپیہ پیسہ خوب پانی کی طرح بہاتے ہیں مگر اپنی بیوی کا شرعی حق ادا نہیں کرتے۔

ولیمہ اور نکاح کی دعوت

ولیمہ کرنا فرض یا واجب نہیں بلکہ صرف مستحب یا زیادہ سے زیادہ سنت ہے' اور پھر ولیمے میں گوشت روٹی یا بریانی کھلانا بھی ضروری نہیں بلکہ سنت رسولؐ کے مطابق کھجور یا کوئی بھی چیز کھلا دینا یا صرف شربت پلا دینا بھی کافی ہو جائے گا۔ اور اس قسم کا اہتمام لڑکے والوں کی طرف سے ہونا چاہئے نہ کہ لڑکی والوں کی طرف سے۔ مگر ہم سنت رسولؐ کو ترک کر کے

''سنت اغیار'' کی محبت میں لڑکی والوں کی دعوت زبردستی وصول کرتے ہیں اور وہ بھی کئی وقت اور طرح طرح کی غذاؤں کے ساتھ' اور اگر اس میں کوئی کسر رہ جائے تو لڑکی والوں کو ہزار صلواتیں سنائی جاتی ہیں۔ نکاح تو نکاح' بعض لوگ اس قسم کے معاملات میں اتنی سختی برتتے ہیں کہ اگر لڑکی والے منگنی کے موقع پر بھی ڈھیر سارے مہمانوں کی دعوت کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو رشتہ توڑ دیا جاتا ہے' حالانکہ لڑکی والے اس قسم کی دعوتیں کرنے اور باراتیوں کو کھانا کھلانے کے شرعاً ذمہ دار نہیں ہیں۔ لیکن ہم نے اپنی جہالت کی بنا پر شریعت کے مقابلہ میں ایک نئی شریعت ایجاد کر لی ہے۔ اگر ہمیں اللہ' اس کے رسول ﷺ اور آپؐ کی شریعت سے واقعی محبت ہے تو پھر ہمیں اپنے باپ دادا کے رسم و رواج اور غیر قوموں کی نقالی کو ترک کر کے خدا اور اس کے رسول کی مرضی کے مطابق صحیح طریقہ اختیار کرنا پڑے گا' جس میں ہم سب کی نجات ہے۔

لڑکی والوں کی دعوت ناجائز کیوں؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ لڑکی والے اگر نکاح کے موقع پر اپنی خوشی سے دعوت کر دیں تو اس میں کیا برائی ہے اور شرعی اعتبار سے اس کی ممانعت کی دلیل کیا ہے؟ تو اس مسئلے کے دو پہلو ہیں: پہلا یہ کہ اگر ایسا کھانا لڑکے والوں کے مطالبہ پر ہو تو وہ صاف طور پر ''اکلِ باطل'' ہے جس کی ممانعت قرآن مجید میں آئی ہے۔ (النساء:۲۹) چنانچہ اس آیت کے مطابق لوگوں کا مال ناحق کھانا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اور مفسرین نے تصریح کی ہے کہ بغیر کسی معاوضہ کے کسی کا مال کھانا بھی اکلِ باطل میں شامل ہے۔ پھر چونکہ شریعت نے شادی بیاہ کے اخراجات مَرد پر عائد کئے ہیں عورت پر نہیں' اس لئے لڑکی والوں سے اس قسم کا مطالبہ کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ اور پھر سنت رسولؐ یا سنت صحابہؓ سے بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اسلامی دور میں لڑکی والوں نے کبھی نکاح کی دعوت کی ہو۔ بلکہ اگر ثبوت ملتا ہے تو صرف ولیمے کا جو مَرد کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ اور یہ بات عقلی اعتبار سے بھی صحیح ہے' کیونکہ لڑکی لڑکے کا گھر بسانے کے لئے لڑکے کے یہاں جاتی ہے' نہ کہ لڑکا لڑکی کا گھر بسانے کے لئے لڑکی کے یہاں جاتا ہے۔ اس لئے نظامِ فطرت کی رُو سے جب اس کا فائدہ مرد کو مل رہا ہے تو اس کے اخراجات بھی اسی کو برداشت کرنا پڑیں گے۔

اب رہا دوسرا پہلو کہ اگر لڑکی والے بغیر کسی مطالبہ کے اپنی خوشی سے دعوت کر دیں تو اس میں کیا برائی ہے؟ تو اس طرح کہہ دینا بظاہر ایک آسان بات معلوم ہوتی ہے مگر وہ

درحقیقت بجائے خود بہت سی برائیوں کا مجموعہ ہے۔ اس موقع پر تین باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ پہلی بات یہ کہ اگر لڑکی والے اس قسم کا کھانا اپنی خوشی سے ہی کھلائیں تب بھی وہ لڑکی والوں پر خلافِ شرع ایک بوجھ ہے۔ دوسری بات یہ کہ جب کچھ لوگ محض خوش دلی ہی سے سہی جب کوئی کام شروع کرتے ہیں تو وہ بعد والوں کے لئے ایک مثال اور ایک ''روایت'' بن جاتا ہے۔ تیسری بات یہ کہ اگر اس طرح ہر شخص کو چھوٹ دے دی جائے کہ اگر کوئی چاہے تو اپنی خوشی سے دعوت کرے اور اگر نہ چاہے تو نہ کرے تو اس کے نتیجے میں ہمارا معاشرہ واضح طور پر دو طبقوں میں بٹ جائے گا اور بعض نئے سماجی مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ چنانچہ لوگ عموماً دعوت کرنے والوں کی تعریف کریں گے اور دعوت نہ کرنے والوں پر طعنے کستے رہیں گے۔ اس طرح استطاعت نہ رکھنے والے ہمیشہ احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جائیں گے۔

ان کے علاوہ بھی کئی طرح کی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایسے تمام غیر شرعی رسوم و رواجات کو ختم کر کے ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا کو راحت پہنچائی جائے جو زمانے کے بے رحم ہاتھوں میں پھنس کر اپنی قسمت کو کوس رہے ہیں اور جن کے گھروں میں دو چار لڑکیاں موجود ہیں وہ تو گویا زندہ درگور ہیں۔

معاشرے کے بچاؤ کا واحد راستہ

حاصل بحث یہ کہ نکاح کا بنیادی مقصد ایک نئے خاندان کی تشکیل ہے۔ لہٰذا اگر ایک نئے گھر کی بنیاد رکھنے کے لئے دوسرے خاندان کو برباد کر دیا جائے تو یہ ایک غیر معقول بات ہوگی اور شریعت کی نظر میں بھی اسے جواز حاصل نہیں ہو سکے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہر شخص شادی بیاہ کے موقع پر اتنا ہی خرچ کرے جتنا کہ وہ کسی مشقت میں پڑے بغیر یا مقروض بنے بغیر خرچ کر سکتا ہو۔ غریب اور متوسط گھرانوں میں آج شادی رحمت نہیں بلکہ بہت بڑی زحمت بن کر آتی ہے' بلکہ شادی بیاہ کے نام ہی سے ان طبقات میں لوگوں کے پسینے چھوٹ جاتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ موجودہ سماج کا بگاڑ یا وہ نمائشی معیار ہے جسے خوشحال طبقے نے قائم کر کے عوام کا ذہن و مزاج ہی بدل کر رکھ دیا ہے۔

جب شریعت پر عمل کرنے کی بات آتی ہے تو ضروری ہے کہ ہم خدا کے احکام پر پورے خلوص اور صدقِ دل کے ساتھ عمل کریں اور اس کی مرضی میں اپنی مرضی کو ملا دیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ہم سے مطالبہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے دین میں کامل طور پر اور پوری طرح داخل ہو جائیں۔ یہ نہیں کہ ہم نماز روزے کی حد تک عبادت کریں' مگر اپنے معاشرتی و تمدنی معاملات

میں ''طاغوت'' یا ''غیراللہ'' کی اطاعت کرنے لگ جائیں' یعنی یہ بھی خوش رہے اور وہ بھی۔ تو ظاہر ہے کہ یہ خدائے واحد کی پرستش نہیں ہوئی بلکہ اس میں طاغوت اور اپنی نفسانی خواہش کا بھی حصہ لگ گیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا مطالبہ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً﴾ (البقرہ:۲۰۸)

''اے اہل ایمان! تم اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ''۔

امت مسلمہ کو اللہ تعالیٰ نے عالمِ انسانی کی قیادت کے لئے پیدا کیا ہے اور اس کا کام دنیا کو جگانا اور اس کے بگڑے ہوئے عقائد و اعمال کی اصلاح کرنا ہے۔ مگر عالمِ انسانی کی قیادت سے پہلے اپنے گھر کی اصلاح ضروری ہے۔ لہٰذا مسلمان غیر قوموں کی نقالی اور ان کے خرافات سے باز آئیں جن میں دین و دنیا دونوں کی تباہی ہے۔

آیئے عہد کریں کہ ہم:

۱) نکاح مسجدوں میں اور پوری سادگی کے ساتھ انجام دیں گے۔
۲) لڑکی والوں کی دعوت نہیں کھائیں گے۔
۳) جوڑے جہیز کا غیر معقول مطالبہ نہیں کریں گے۔
۴) ولیمہ حسب استطاعت مختصر اور سادہ طور پر کریں گے۔
۵) دولت کی بے جا نمائش کر کے دوسروں کے لئے غلط مثال قائم نہیں کریں گے۔
۶) کسی بھی قسم کی غیر شرعی رسم کی ادائیگی پر اصرار نہیں کریں گے۔
۷) جہاں تک ہو سکے غیر اسلامی رسوم سے بچنے کی کوشش کریں گے۔
۸) اسلامی شریعت کا احترام ہر حالت میں قائم رکھنے کی کوشش کریں گے۔
۹) اپنے تمام معاملات اسلامی شریعت کے دائرہ میں حل کریں گے۔
۱۰) اپنے باہمی قضیہ جات کو غیروں کے پاس نہیں لے جائیں گے۔

الداعی الی الخیر: **میر سیف اللہ نعیم**
جے نگر' بلاک III' بنگلور 560011 (انڈیا)

جادو، ٹونے، ٹوٹکے، بدشگونی اور توہّمات

قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک جائزہ

تحریر: پروفیسر صغریٰ خاکوانی

آج کل شہروں کی دیواروں اور اخباروں کے اشتہاروں میں عاملوں، نجومیوں اور دست شناس پروفیسروں کے ناموں کے ساتھ چوکھٹے لگے ہوتے ہیں جن میں امتحان میں سو فیصد کامیابی، محبوب کا قدموں میں آن گرنا، بے روزگاری کا یقینی خاتمہ اور مقدمے میں لازماً کامیابی قسم کے بلند بانگ دعوے تحریر ہوتے ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جھوٹے، جعل ساز اور فراڈیے جادوگروں اور عاملوں کی شکل میں علی الاعلان دکانیں سجائیں اور لوگوں کی جیبوں پر ہی نہیں دین وایمان اور بسا اوقات عزت وآبرو پر ڈاکہ ڈالیں اور کوئی اُن سے باز پُرس کرنے والا نہ ہو!

دیکھنے میں آیا ہے کہ جب کوئی قوم اپنے اخلاقی اور مادی زوال کی طرف بڑھ رہی ہوتی ہے اور جہالت وغلامی ان کے اندر کی بلند حوصلگی اور قوتِ عمل چھین لیتی ہے تو اُن کی توجہ جادو، ٹونے، طلسمات وعملیات اور تعویذ گنڈوں کی طرف مبذول ہونے لگتی ہے۔ اب وہ ''ہینگ لگے نہ پھٹکڑی، رنگ چوکھا آئے'' کے مصداق ایسی تدبیریں ڈھونڈنے لگتے ہیں جن سے کسی مشقت اور جدوجہد کے بغیر محض پھونکوں اور جنتروں منتروں کے زور پر سارے کام بن جایا کریں۔ آج ہم اپنے نفس کے کس قدر غلام بن گئے ہیں کہ ہمیں ہر حالت میں بس اپنی خواہش کی تکمیل چاہیے، اس کے لیے چاہے ہمیں مالی طور پر کتنا خرچ کرنا پڑے، اخلاقی طور پر کتنا گرنا پڑے اور خواہ ایمان جیسی جنسِ گراں مایہ سے ہاتھ کیوں نہ دھونے پڑیں، بس کسی طرح من چاہی خواہش پوری ہو جائے۔ سورۃ القیامۃ میں ہماری اسی فطری کمزوری کو ہی تو پیشِ نظر رکھ کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝﴾

''ہرگز نہیں (تمہارا یہ رویہ قطعاً درست نہیں)' بلکہ تم لوگ جلدی حاصل ہونے والی چیز (یعنی دنیا) سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو بھلا دیتے ہو''۔

یعنی تم لوگوں کو بس جلدی پڑی ہے کہ آج اور ابھی یہ سب کچھ حاصل ہو جائے' چاہے جیسے بھی ہو' اور تم لوگوں نے آخرت کو بھلا دیا ہے۔

اگر ہم غور کریں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ جادوگروں کی دکانوں کا اس کثرت سے کھلنا اور خوب چلنا دو باتوں کی وجہ سے ہے:

(۱) دین سے دوری' یعنی جہالت

(۲) خواہشاتِ نفس کی شدت' یعنی نفس کی غلامی

جبکہ ایک حدیث قدسی ہے کہ اللہ ربّ العزت فرماتے ہیں: ''بندے! ایک تیری چاہت ہے اور ایک میری چاہت ہے' ہوگا وہی جو میری چاہت ہے.....'' صرف یہی ایک حدیث مبارکہ بھی اگر میری تمام بہنوں تک پہنچی ہوتی اور وہ اسے مشعل راہ بنا لیتیں تو نتائج یقیناً مختلف ہوتے۔

آج قرآنی تعلیمات سے دُوری ہمیں جہالت کی اس نہج پر لے آئی ہے کہ میری مسلمان بہنیں اپنے مسائل کے حل کے لیے جعلی پیروں' نجومیوں اور جادوگروں کی طرف رجوع کرتی نظر آتی ہیں' جہاں وہ شیطان کے چیلے بڑی آسانی سے اُن کو اپنی چالوں میں گھیر لیتے ہیں۔ ہماری یہ بہنیں اگر ذرہ بھر بھی عقل رکھتیں تو وہ سوچتیں کہ جس پیر کا اپنا گھر اُن کے دیے ہوئے سو پچاس کے نذرانے پر چل رہا ہے وہ کتنا پہنچا ہوا ہے اور ان کے کس حد تک کام آ سکتا ہے!

اصل حقیقت یہ ہے کہ ان نام نہاد عاملوں میں سے اکثریت تو اُن بہروپیوں پر مشتمل ہے جن کے پاس علم نام کی کوئی چیز نہیں' نہ کالا علم اور نہ ہی سفید علم' صرف شعبدہ بازی اور ہاتھ کی صفائی سے کام لے کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں اور روپیہ بٹور کر اپنے پیٹ کا ایندھن بھرتے ہیں۔ ان کے پاس جانا بڑی بے وقوفی اور سراسر جہالت ہے۔ دوسری قسم اُن عاملوں اور جادوگروں کی ہے جنہوں نے دانستہ اپنے نفس کو مکمل طور پر شیطان کے سپرد کر رکھا ہوتا ہے۔ یہ جادو ٹونے کے ایسے عجیب و غریب طریقے اختیار کرتے ہیں جو کسی ضعیف العقیدہ مسلمان سے بھی بعید ہیں۔ مثال کے طور پر یہ کسی کو نقصان پہنچانے والا تعویذ لکھنے کے لیے جب سیاہی تیار کرتے ہیں تو مُٹھے کا پانی استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں اس طرح جلد اثر ہوتا ہے' حالانکہ

تعویذ کی عبارت آیتِ قرآنی پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض بد بخت عامل خون اور پیشاب سے قرآنی آیات تحریر کرتے ہیں۔ چنانچہ جتنی بے حرمتی قرآن کریم کی یہ پیشہ ور عامل اور جادوگر کرتے ہیں کوئی صحیح العقیدہ مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بتایا جاتا ہے کہ شوہروں کو بیویوں کا تابع فرمان بنانے کے لیے آیاتِ قرآنی سے جو تعویذ لکھا جاتا ہے وہ اُلّو کے خون سے لکھتے ہیں۔ مزید سنیے کہ سورۃ الفاتحہ جس کو رسول اللہ ﷺ نے ہر زہر کا تریاق قرار دیا ہے' یہ بد بخت عامل اسے الٹے حروف اور الٹی سمت میں لکھ کر تعویذ بناتے ہیں اور یوں اپنے اور اپنے ماننے والوں کے لیے جہنم رسید ہونے کا سامان کرتے ہیں۔

میں اپنی بہنوں کو متوجہ کرتی ہوں کہ ہمارے پاس سب سے بڑی دولت ایمان ہے۔ اگر ایمان نہ رہا تو باقی کیا بچا! یہ جادو ٹونے کرنے اور کرانے والے شیطان کے سنگی ساتھی ہیں اور شیطان کے بارے میں تو آپ جانتی ہی ہیں کہ وہ انسان کا کھلا دشمن ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ۝﴾ (یوسف) ''یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے''۔ اِن جادوگروں کے حالات کا اگر قریب سے جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ دوسروں کی مشکل کشائی فرمانے والے خود بے تحاشا پریشانیوں اور مسائل میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اِن بدنصیبوں کی آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا بھی برباد ہوتی ہے۔

ان عاملوں کی ایک اور بات ہمارے علم میں یہ لائی گئی ہے کہ تعویذ لکھنے کے بعد آخر میں جہاں بحق انبیاءؑ' بحق جبرئیلؑ و میکائیلؑ لکھتے ہیں وہیں بعض تعویذوں پر بحق فرعون' بحق شدّاد و نمرود اور بحق ابلیس تک لکھ ڈالتے ہیں۔ گویا اِن کافروں اور گستاخوں کی نظر میں انبیاء کرام اور مقربین فرشتوں جیسی قدسی صفات ہستیاں اور نمرود و شدّاد اور شیطانِ لعین میں نعوذ باللہ کوئی فرق نہیں ہوتا۔ مزید برآں یہ شیطان کے چیلے عامل اپنے ماننے والوں کو جنات اور جادو کے توڑ کے لیے روحانی وظائف کی آڑ میں شرکیہ وظائف کی تعلیم دے کر رہا سہا ایمان بھی چھین لیتے ہیں۔

عزیز بہنو! آیئے جادو یا سحر کا قرآن و حدیث کی رو سے جائزہ لیں۔ ''سحر'' کے لغوی معنی ہیں باریک اور لطیف چیز۔ مصباح اللغات میں سحر کے معنی دھوکہ' حیلہ' فساد اور باطل کو حق کی صورت میں ظاہر کرنا لکھے ہیں۔ قرآن شریف میں جہاں گرہیں دے دے کر پھونکیں مارنے والے جادوگروں اور جادوگرنیوں کے شر سے پناہ مانگنے کو کہا گیا ہے وہیں اِن کی اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ناطاقتی بھی بیان فرمائی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ:۱۰۲)

''اور یہ (جادوگر جادو کے بل پر) کسی ایک کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے کہ اللہ کی رضا یہی ہو''۔

سورۃ طٰہٰ میں فرمایا:

﴿وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى﴾

''اور جادوگر جہاں جائے گا فلاح نہیں پائے گا''۔

سورۃ البقرۃ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی جادو سے بریت بیان فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ﴾ یعنی سلیمان علیہ السلام نے کبھی بھی جادو جیسی کافرانہ حرکت نہیں کی۔ چنانچہ علمائے اُمت اس بات پر متفق ہیں کہ جادو کرنا تو کفر ہے ہی' اس کے کفر ہونے کا اعتراف نہ کرنا بھی کفر ہے۔

قرآن کریم میں جادو اور جنات کا جو ذکر آیا ہے تو ہم مسلمان اِن کے وجود کو ماننے کے پابند ہیں۔ امام ابوحنیفہ' امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک جادو کفر ہے' جبکہ امام شافعی کے نزدیک جادو فسق ہے۔ حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

''جس شخص نے تھوڑا سا بھی جادو سیکھا اس کا معاملہ اللہ سے ختم ہوا''۔ (مسند احمد)

کہانت بھی جادو ہی کی اقسام میں آتی ہے۔ غیب دانی کا دعوے دار' خفیہ باتیں بتانے والا کاہن کہلاتا ہے۔ اسلام سے پہلے کاہنوں کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ انہیں بڑے بڑے نذرانے پیش کیے جاتے تھے' اس وجہ سے کہ کہانت کا اس زمانے میں بہت چرچا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے جہالت کے اندھیرے چھٹے۔ کاہنوں کے پاس جانا اور غیب کی خبریں پوچھنا مسلمان کے لیے ممنوع قرار پایا کہ عالم الغیب ذات صرف اللہ ربّ العزت ہی کی ہے۔ اس نے علمِ غیب کسی کو نہیں دے رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ اَتٰى حَائِضًا اَوِ امْرَاَةً فِيْ دُبُرِهَا اَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) (۱)

''جس شخص نے اپنی بیوی سے حالتِ حیض میں جماع کیا' یا اپنی بیوی سے اس کے دُبر میں جماع کیا' یا وہ کسی کاہن کے پاس آیا اور اس کی بات کی تصدیق کی تو اُس نے گویا اُس چیز کا انکار کیا جو اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی''۔

ایک اور جگہ ارشاد نبویؐ ہے:

((مَنْ اَتٰی کَاهِنًا اَوْ عَرَّافًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا یَقُوْلُ فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ)) (۲)

''جو کسی غیب کی خبر دینے والے یا کاہن کے پاس آیا اور اس کی تصدیق کی تو گویا اُس نے اس چیز کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی۔''

چونکہ کاہن جھوٹے اور فاسق ہوتے ہیں' غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کفر ہے' اس لیے مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کاہنوں کے پاس جا کر پوچھیں کہ اُن کے ہاں لڑکی کی ولادت ہو گی یا لڑکے کی؟ اُن کی شادی ہو گی یا نہیں؟ اس لیے کہ یہ سب غیب کی خبریں ہیں جو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ﴾ (الانعام:۵۸)

''اور اللہ کے پاس ہی غیب کی چابیاں ہیں' جنہیں اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

آپ کو معلوم ہے اسلام کا نور پھیلنے سے پہلے جہالتِ اولیٰ کا دور تھا۔ جاہل کا اعتقاد نہایت کمزور ہوتا ہے۔ وہ توہّمات میں گھرا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عربوں میں توہم پرستی عام تھی' اور یہ صرف عربوں میں ہی نہیں تھی بلکہ آج کل کے لوگ بھی ویسی ہی توہم پرستی کا شکار ہیں کہ اسلام کی تعلیمات اور قرآن کی روشنی سے دور ہیں۔ جاہل عورتوں میں یہ باتیں سینہ بہ سینہ چلی آتی ہیں کہ وہ ذوالقعدہ کے مہینے کو خالی کا چاند اور ماہِ صفر کو تیرہ تیزی کا مہینہ کہتی ہیں' ان دونوں مہینوں کو منحوس سمجھ کر اُن میں شادی خوشی کے انعقاد کو نامبارک اور منحوس سمجھتی ہیں' اہم امور کا افتتاح اور دیگر کاموں کی ابتدا کرنے سے گریز کرتی ہیں۔ یقین کیجیے کہ اس وہم کا حقیقت سے دُور کا بھی تعلق نہیں' بلکہ اسلام میں تو ماہِ صفر ''صفر المظفر'' کہلاتا ہے' یعنی کامیابیوں کا مہینہ۔ پھر اُن کے ہاں ماہِ صفر کی یکم سے ۱۳ تاریخ تک کو خاص طور پر منحوس گردانا جاتا ہے۔ وہ ۱۳ تاریخ کو گھونگھنیاں پکا کر اور تقسیم کر کے بزعم خود اس نحوست سے جان چھڑاتی ہیں۔ مَن گھڑت اور نو ایجاد کردہ بدعتوں کی کوئی بنیاد تو ہوتی نہیں اس لیے یہ خواتین اپنے گھر کی کالی ہانڈیاں بھی اس تیرہ تیزی کے دن توڑ دیتی ہیں اور اگر گھر میں کوئی اور مٹی کا برتن ہوتا ہے تو وہ بھی نحوست کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔ ضعیف العقیدہ لوگ اس دن چاندی کے چھلے پڑھواتے ہیں' حروفِ مقطعات چاندی کی تختیوں پر نقش کرواتے ہیں کہ یہ ہر مصیبت کا حل ثابت ہوتے ہیں۔ یقین کیجیے دین کا اِن خرافات سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ یہ وہ

مَن گھڑت باتیں ہیں جن کا آثارِ صحابہ وتابعین اور سلفِ صالحین سے کچھ ثبوت نہیں ملتا۔ اس کے برعکس احادیثِ مبارکہ سے ماہِ صفر کی نحوست کی قطعی نفی ظاہر ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لاَ عَدْوٰی وَلَا طِیَرَةَ وَلَا صَفَرَ وَلَا هَامَّةَ)) (۳)

''چھوت چھات اور بدشگونی کی اور ماہِ صفر اور اُلّو (میں نحوست) کی کوئی حقیقت نہیں''۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

((لَا عَدْوٰی وَلَا صَفَرَ وَلَا غُوْلَ)) (٤)

''کسی سے مرض لگ جانے' صفر (کی نحوست) اور غول بیابانی میں کوئی حقیقت نہیں (یہ سب توہمات ہیں)''۔

یہ سب صحیح احادیث آپ کے سامنے ہیں' ان کی رو سے جتنے غلط نظریات' خیالات اور توہمات زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں رائج تھے اُن کی صاف نفی فرما دی گئی اور کسی قسم کے توہم کی دین میں گنجائش نہیں چھوڑی گئی۔

زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں شگون لینے کا رواج تھا۔ ان کی عادت تھی کہ جب کوئی مہم یا سفر درپیش ہوتا تو پرندے کو اڑا کر دیکھتے۔ اگر تو وہ دائیں جانب کو اڑتا تو اسے مبارک اور نیک فال سمجھتے ہوئے وہ کام شروع کر لیتے' سفر پر جانا ہوتا تو چلے جاتے' اور اگر پرندہ بائیں طرف کو اڑتا تو اس کو نامبارک اور منحوس سمجھتے ہوئے رک جاتے۔ آج صدیوں بعد وہی خیالات اور توہمات ہمارے معاشرے میں گردش کر رہے ہیں' اللہ تعالیٰ کے اِس قول کے مصداق کہ: ﴿تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ کہ اِن جاہلوں کے دل یا خیالات ملتے جلتے ہیں۔ حالانکہ ''لاَ طِیَرَةَ'' فرما کر رسول اللہ ﷺ نے اُن کے اِن عقائد کی مکمل تردید فرما دی تھی۔ بدفالی اور بدشگونی خام خیالی ہے' حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ کامیابی اور ناکامی' نفع اور نقصان کا اختیار اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے' وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ آج کے نام نہاد اسلامی معاشرے میں جو توہّمات اور بدشگونیوں کی مختلف قسمیں اور شکلیں رائج ہیں وہ کچھ اس طرح سے ہیں:

☆ نئی دلہن کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ اگر صندوق کو تالا لگا دے تو اس کی قسمت پر تالے لگ جائیں گے' گھر پر تالے لگ جائیں گے۔

☆ جاہل عورتیں سمجھتی ہیں کہ سورۃ ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' پڑھنے سے پڑھنے والوں کا ناس مارا جاتا ہے۔ نعوذ باللہ۔ ظالم عورتیں اللہ کے کلام کو نشانہ بنانے سے نہیں چوکتیں۔ کلامِ الٰہی: ﴿لَا اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ کے بارے میں یہ کہنے سے نہیں گھبراتیں کہ یہ بڑا ظالم کلام ہے' بالکل ننگی تلوار کے مانند کہ دشمن پر وار ہو نہ ہو خود پڑھنے والا بھی زد میں آنے سے نہیں بچتا۔ یہ سب شیطان کی کارستانیاں ہیں' مبادا اس عظیم کلام کو پڑھ نہ لیں' لہٰذا انہیں ڈراؤ' دور رکھو' جاہل تو ہیں ہی' فوراً مان جائیں گی۔

☆ دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھ کر کھانا کھانے سے آدمی مقروض ہو جاتا ہے۔

☆ جس عورت کے دو تین بچے مر جائیں باقی عورتیں اس کے پاس جانے سے گریز کرتی ہیں کہ ''مرت بیائی'' لگ جائے گی۔ (کتنا جاہلانہ خیال اور ظالمانہ رویہ ہے!)

☆ یہ عورتوں کا ہی ذہنِ نارسا ہے کہ انسان کی عمر کا آٹھواں' اٹھارہواں' اٹھائیسواں' اڑتیسواں اور اڑتالیسواں سال بھاری ہوتا ہے۔ (اٹھ کاٹھ کس قدر مضحکہ خیز بات ہے کہ ساری زندگی دھڑکا ہی لگا رہا کہ اب مرے کہ اب مرے۔ ظالموں نے چین نہ لینے دیا۔)

☆ کتے اور بلیوں کے رونے سے وبائیں اور بلائیں نازل ہوتی ہیں۔

☆ کسی کے گھر لڑائی کرانی ہو تو سیہہ کا کانٹا رکھ دیں۔ جب تک کانٹا رہے گا اہل خانہ لڑتے رہیں گے۔ (قطعاً غلط بات ہے۔ میرے گھر میں سیہہ بذاتِ خود رہ رہا ہے اور الحمدللہ گھر میں مثالی امن وسکون ہے۔)

☆ گھر کا کوئی مرد سفر کو جائے تو پیچھے گھر میں بڑی بوڑھیاں جھاڑو دینے سے منع کرتی ہیں کہ ہم خود اُس کے نقوشِ پا مٹا دیں کہ اب وہ گھر کبھی لوٹ کر نہ آئے؟

☆ اُلّو کے بولنے سے ویرانی آتی ہے اور موت پھیلتی ہے۔ (پھر تو عراق اور افغانستان میں امریکی ہوں گے یا پھر اُلّو۔)

☆ دائیں ہتھیلی میں خارش ہو رہی ہو تو یہ پیسہ آنے کی علامت ہے اور اگر بائیں ہتھیلی میں خارش ہو تو یہ پیسے سے محروم ہونے کی علامت ہے۔

☆ جوتے پر جوتا چڑھ جائے تو اَب سفر لازماً کرنا پڑتا ہے' اس لیے کہ مجبوری ہے۔

☆ گھر کی مُنڈیر پر کوا بولے تو مہمان کی آمد آمد ہے۔

☆ بچے کو ڈوئی مارنے سے ہوکا ہو جاتا ہے' یعنی بچہ کھاتے کھاتے نہیں تھکتا۔ (جن کے بچے کچھ نہیں کھاتے وہ مائیں ڈوئیاں خرید لیں!)

☆ جھاڑو کی ضرب لگانے سے سوکھے کی بیماری ہوتی ہے۔ (ہائے کیسا اچھا آئیڈیا ہے' سارے سلمنگ سنٹر والے یہی طریقہ اختیار کریں!)

☆ آٹا گوندھتے ہوئے صحنک سے آٹا اڑ کر باہر جا گرے تو مہمان کا آنا یقینی ٹھہرا کہ اس کا رزق اچھل رہا ہے۔

☆ مرغی اذان دے تو اسے فوراً ذبح کر ڈالو' مردوں کے لیے یہ بات منحوس ہے۔ (گھر کی مادہ کو بھی مرغی کے انجام سے ڈرنا چاہیے۔)

☆ مُنہ سے چراغ کو پھونک مار کر گل نہ کرو' گویا اپنے ہاتھوں خوشحالی کو ختم کر رہے ہو۔ (الحمد للہ کہ بجلی کے آنے سے یہ خطرہ تو ٹلا۔)

☆ گھر کا کوئی فرد اچانک بیمار ہو جائے اور گھبرا کر گھر کے ہی دو افراد یکے بعد دیگرے حکیم یا ڈاکٹر کو لینے نکل پڑیں تو سب کے دل دھک سے رہ جاتے ہیں کہ اب مریض کا ہے کو بچنے لگا!

☆ اگر کوئی کسی مہم کو گھر سے نکلا اور پیچھے سے کسی نے غلطی سے آواز دے دی تو وہ اسے مرنے مارنے پر اتر آتا ہے کہ تم نے میرا پندھ (سفر) کھوٹا کیا' میرے کام میں روڑے اٹکائے۔

☆ گھر سے کسی اہم کام کو نکلو تو راستے میں کالی بلی ہرگز نہیں آنی چاہیے' ورنہ کام نہ ہوگا۔

☆ شیشے کا ٹوٹنا' سونے کا گم ہونا' دودھ کا گرنا' چابیاں چھن چھنانا' دانت کٹکٹانا' قینچی کا خالی چلانا' رات کو کوّے کا بولنا' یہ سب علامتیں اچھی نہیں۔ خیر کی توقع نہ رکھیں۔

حیرت ہوتی ہے کہ یہ اشرف المخلوقات کے خیالات ہیں! یہ تو کسی کمزور اور ضعیف ترین مخلوق کی باتیں سننے کو ملی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے:

﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾(البقرۃ:۲۹)

''زمین میں جو کچھ ہے اللہ نے تمہارے لیے پیدا کیا ہے''۔

اور بندہ ہے کہ کالی بلی سے سہما جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ وَمَامِنَّا اِلَّا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ))

''بدفالی اور بدشگونی شرک ہے اور ہم میں سے کوئی اس سے بچ نہیں سکتا سوائے اس کے جسے اللہ پر توکل ہو''۔

یہ داستانِ توہمات وشگون بہت طولانی ہے اور وقت کا دامن تنگ۔ آخر میں صرف یہ

کہتے ہوئے مَیں اپنی بات کو ختم کروں گی کہ ہم وہ خوش نصیب لوگ ہیں جن کے پاس قرآن کریم جیسی محکم کتاب موجود ہے۔اسے پڑھ اور سمجھ کر ذہن کا اُفق وسیع ہوتا ہے ' خیالات میں پختگی آتی ہے۔ہمیں کبھی اور کسی حالت میں بھی کافر و فاجر عاملوں کے پاس نہیں جانا چاہیے۔اپنے مسائل براہِ راست اپنے ربّ رحیم کے سامنے پیش کریں' اسی سے مَن کی باتیں کریں' اسی کے سامنے اپنا مسئلہ رکھیں۔ مجھے پختہ یقین ہے کہ وہ آپ کو مایوس نہیں کرے گا۔oo

حواشی

(۱) مسند احمد' کتاب باقی مسند المکثرین' باب باقی المسند السابق۔

(۲) مسند احمد' کتاب باقی مسند المکثرین' باب باقی المسند السابق۔

(۳) سنن ابی داؤد' کتاب الطب' باب فی الطیرۃ۔

(٤) صحیح مسلم' کتاب السلام' باب لا عدوی ولا طیرۃ ولا ھامۃ ولا صفر ولا نوء ولا غول۔

(٥) سنن ابن ماجہ' کتاب الطب' باب من کان یعجبہ الفأل ویکرہ الطیرۃ۔

دعوت و تذکیر

اسلامی تصورِ حیات

تحریر: اشفاق الرحمٰن خان

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذٰریٰت)

''ہم نے جن وانس کو اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا۔''

اگر غور کیا جائے تو عبادت کا لفظ ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے' کیونکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی عبادات (بندگی) کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں اور معاملات سے ہے' جن میں اِس کے طرزِ عمل' معاملات اور معاشرت' حقوق وفرائض وغیرہ سب شامل ہیں۔ چنانچہ اس فریضہ کی انجام دہی کے لئے ابتدائے آفرینش سے اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں اپنے نبیوں اور رسولوں کو واضح اور روشن ہدایات کے ساتھ مبعوث فرمایا' جن کی تعداد روایات کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ ان میں سے بعض کو رسول بنا کر اور مکمل شریعت کے ساتھ بھیجا تاکہ انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے سلسلے میں کوئی حجت باقی نہ رہے۔ اور آخر میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنا آخری رسول بنا کر اپنی آخری کتابِ ہدایت (قرآنِ حکیم) اور ایک مکمل شریعت (دین اسلام) کے ساتھ مبعوث فرمایا اور تمام جن وانس کو حکم دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں' اسی میں ان کی دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔ اور فرمایا: ﴿فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ (المائدۃ) ''اگر تم روگردانی کرو گے تو ہمارے رسولؐ کے ذمے تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے''۔

حجۃ الوداع کے موقع پر میدانِ عرفات میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدۃ:۳) ''آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی

E:\Ms-2005\Meesaq_Pdf_2005\meesaq june05\kk28-01.inp 8/22/2014 4:11 PM PAGE 1 (1,1)

نعمت پوری کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے پسند فرما لیا ہے''۔ رسول اللہﷺ نے اس دعوتِ اسلام کو احسن طریقے سے اپنے آپؐ پر نازل ہونے والی وحی (قرآن حکیم) اور عمل کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا جس کا اعتراف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آخری حج کے موقعہ پر کیا۔ جب آپﷺ نے اُن سے مخاطب ہو کر پوچھا: ''کیا میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام آپ تک پہنچا دیا ہے؟'' تو سب نے مل کر اس بات کی شہادت دی کہ نہ صرف آپؐ نے پیغام پہنچا دیا بلکہ اس کا حق ادا کر دیا۔ آپؐ نے اس موقع پر اپنی شہادت کی انگلی کو آسمان کی طرف تین مرتبہ بلند کر کے فرمایا: ''اے اللہ تو گواہ رہنا' تو گواہ رہنا' تو گواہ رہنا''۔

رسول اللہﷺ کے بعد آپؐ کے صحابہؓ نے خاص طور پر خلافت راشدہ کے دور میں اسلام کو عملی طور پر نافذ کر کے اس کو قابل عمل اور قابل حجت ثابت کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ابدی پیغام قرآن پاک اور رسول اللہﷺ کی احادیث کی صورت میں ہمارے پاس مِن وعن اب تک محفوظ ہے اور اس پر عمل ہوتا رہا ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک ہوتا رہے گا۔

چنانچہ انہی دونوں پر عمل کر کے ہم دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

آج کل کے پُرآشوب دور' بلکہ ہر دَور میں یہی واحد راستہ ہے جس پر چل کر ہم اپنے اغیار اور مخالفین پر کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہم نے اپنے دین کو جو کہ تمام شعبہ ہائے زندگی پر محیط ہے 'مذہب' کا درجہ دے دیا ہے۔ جیسا کہ دوسرے غیر اسلامی مذاہب چند رسومات کا مجموعہ ہیں' ہم نے بھی دین کو نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج کو رسمی طور پر ادا کرنے پر ہی محدود کر دیا ہے اور دنیاوی معاملات میں ہم اپنے آپ کو آزاد سمجھتے ہیں' جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اُدۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً﴾ یعنی دین میں کامل طور پر داخل ہو جاؤ۔

لیکن ہمارے ہاں اکثر مسلمانوں نے قرآن مجید کی تعلیمات کو فراموش کرنا شروع کر دیا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ روحانی ترقی اور دنیاوی ترقی متضاد ہیں۔ حقیقت میں یہ خیال ہی تعلیم قرآن کے مخالف ہے اور مسلمانوں کی موجودہ تباہی کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اسی

خیال کی وجہ سے عموماً مسلمانوں کے دو طبقے ہو گئے ہیں' ایک روحانی اور دوسرا دنیاوی۔ روحانی طبقے کے بڑے حصے نے تو اپنا مقصد یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہمیں صرف روحانی ترقی کرنی ہے' اس لئے ہمیں فرض نماز' روزہ اور نوافل پڑھنا اور گوشہ نشینی اختیار کرنا ہے' ہمیں دنیا سے کوئی سروکار نہیں۔ دنیا صرف کافروں کے لئے ہے' مسلمانوں کو صرف جنت ملے گی اور دنیا نہیں' دنیاوی عزت' حکومت و ثروت' تو نگری فقط کفار کے لئے ہے۔ دنیا مؤمن کے لئے صرف قید خانہ ہے اور فقط کفار کے لئے جنت ہے۔ جبکہ ان سے اس کی اصل حقیقت اوجھل ہے۔ اس کے برعکس جب ہم قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں کچھ اور نظر آتا ہے۔ صحابہ کرام ﷺ کے زمانے میں جو ترقی اور فتوحات ہوئیں وہ ہم نے فراموش کر دی ہیں۔ صحابہ کرام ﷺ کو حکومت اور دولت میں کافی حصہ ملا اور ان کو غلبہ بھی پورا حاصل ہوا۔ حکومت کے معاملے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (النور)

''تم لوگوں میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور عمل صالح کرتے رہیں ان سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کی خلافت ضرور عطا کرے گا' جیسے ان لوگوں کو خلافت عطا کی تھی جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں' اور جس دین کو اُس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو مضبوط کر کے رہے گا اور خوف و خطرہ جو اُن کو لاحق ہے اس کے بعد اُن کو اس کے بدلہ میں امن دے گا۔ پس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں''۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝﴾ (الانبیاء)

''اور ہم نے زبور میں پند و نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ ہمارے نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے۔ عابدین کو اس میں (ایک بشارت کا) پہنچا دینا ہے۔''

چنانچہ حضرت ابوبکر' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان غنی' حضرت علی المرتضیٰ رضوان اللہ

علیہم اجمعین جیسے صحابہ حکمران ہوئے۔ اور بہت سارے صحابہ گورنر و حاکم ہوئے، جن میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت عمرو بن العاص، حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ شامل ہیں۔

دولت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ..... ﴾(نوح:۱۲)

''اور مال اور اولاد سے تمہاری مدد کرے گا۔''

﴿وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴾ (النباء)

''اور ہم نے ہی دن کو روزی کا ذریعہ بنایا۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بہت سارے صحابہ کرام کو دولت و ثروت عطا فرمائی۔ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ قریش میں سب سے بڑے تاجر اور مالدار تھے۔ حضرت عثمانؓ بہت بڑے تاجر تھے۔ ایک دفعہ حضرت عثمان ﷺ کے ایک ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے شام سے آئے اور انہوں نے وہ سارا غلہ فی سبیل اللہ دے دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ نے ایک ہزار اونٹ، تین ہزار بکریاں اور سو گھوڑے چھوڑ کر انتقال فرمایا۔

غزوۂ تبوک کے لئے حضرت عثمان ﷺ نے ساڑھے نو سو اونٹ، پچاس گھوڑے اور ایک ہزار درہم عطا فرمائے۔ حضرت عثمانؓ نے بئر رومہ (کنواں) ۳۵ ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اب تک چالیس ہزار نقد راہِ حق میں خرچ کر چکا ہوں۔ (الریاض النضرۃ، ج ۲، ص ۲۲۶)

غرضیکہ ہر شعبۂ زندگی میں اللہ عزوجل نے مسلمانوں (مؤمنین صادقین) کو عروج عطا فرمایا۔ اور اب بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ:

﴿اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ (آل عمران)

''تم ہی کامیاب ہوگے اگر تم مؤمن ہو''۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم کو کامل مؤمن بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

خاندانِ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی خدماتِ حدیث

تحریر: عبدالرشید عراقی

گزشتہ شمارہ میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی خدماتِ حدیث پر مشتمل مضمون شائع کیا گیا تھا۔ زیرِنظر مضمون میں حضرت شاہ صاحبؒ کے صاحبزادگانِ عالی مقام یعنی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث، شاہ رفیع الدین محدث، شاہ عبدالقادر محدث، شاہ عبدالغنی محدث، آپؒ کے پوتے مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہم اللہ اجمعین کی خدماتِ حدیث (تدریسی و تصنیفی) کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حجاز سے واپسی کے بعد برعظیم میں حدیث کی نشر و اشاعت کے لیے گویا کمر کس لی اور آپؒ کا آبائی مدرسہ رحیمیہ حدیث کی سب سے بڑی درس گاہ بن گیا۔ آپؒ نے حجاز سے واپسی کے بعد پورے تیس سال حدیث کی تدریس فرمائی اور اس کے ساتھ ساتھ حدیث اور متعلقاتِ حدیث پر کئی ایک کتابیں تصنیف کیں۔

۱۱۷۶ھ میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے سفرِ آخرت اختیار کیا تو آپ کے چاروں صاحبزادے (شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ عبدالغنی رحمہم اللہ اجمعین) آپؒ کے جانشین ہوئے، جنہوں نے آپ کے مشن کی نہ صرف تکمیل کی بلکہ اس کو بامِ عروج تک پہنچایا۔

شاہ عبدالعزیز دہلویؒ

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۵ء میں پیدا ہوئے۔ جب حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے انتقال کیا تو اُس

وقت آپ کی عمر تقریباً ۱۶ سال تھی اور آپ علومِ اسلامیہ کی تحصیل سے فراغت پا چکے تھے۔ مولوی رحمان علی بریلوی لکھتے ہیں :

''پندرہ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد سے تمام علومِ عقلیہ ونقلیہ اور کمالاتِ ظاہری و باطنی سے فراغت حاصل کر لی''۔ (تذکرہ علمائے ہند: ص ۱۲۲)

علم وفضل کے اعتبار سے آپ جامع الکمالات تھے۔ حاضر دماغی اور حاضر جوابی میں بے مثال تھے۔ بعض لوگوں نے آپ کو ''سراج الہند'' اور بعض نے ''حجۃ اللہ'' کا خطاب دیا۔ شیخ محسن بن یحییٰ ترہتی لکھتے ہیں:

''وہ فضل وکمال اور شہرت ومقبولیت کے اُس مقام پر فائز تھے کہ اطرافِ ہند کے لوگ اُن سے انتساب بلکہ آپ کے تلامذہ ومنتسبین سے بھی ادنیٰ نسبت پر فخر کرتے تھے۔ اُن کمالات میں جن کا کوئی معاصر آپ کا مقابل نہ تھا' آپ کی حاضر دماغی اور حاضر جوابی بھی تھی جس کی وجہ سے آپ بحث میں غالب آتے اور مخاطب کو لاجواب کر دیتے۔ انہی کمالات میں آپ کی قادر الکلامی' حسن تعبیر اور خوبیٔ تحریر بھی تھی جس میں اہل نظر نے آپ کو سب پر فائق تسلیم کیا ہے''۔ (الیانع الجنی)

حدیث کی تدریس وترویج

جہاں تک درسِ حدیث اور اس کی ترویج واشاعت کا تعلق ہے' برعظیم کی علمی ودینی تاریخ میں اس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ آپ کے درسِ حدیث کی مدت ۶۴ سال ہے۔ آپ کے باکمال تلامذہ کی تعداد ۴۰ سے اوپر ہے' جو خود بعد میں مسندِ تدریس کے وارث ہوئے اور انہوں نے دوسرے شیوخ واساتذہ پیدا کیے۔ مثلاً:

مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی' مولانا شاہ محمد یعقوب دہلوی' مولانا سید اولاد حسن قنوجی' مولانا حسین احمد ملیح آبادی' مولانا خرم علی بلہوری' مولانا مفتی صدرالدین دہلوی' مولانا مرزا حسن علی صغیر لکھنوی اور مولانا حیدر علی ٹونکی وغیرہم رحمہم اللہ اجمعین۔

تصنیفی خدمات

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے حدیث کی شرح وغیرہ میں کوئی مستقل کتاب تصنیف نہیں فرمائی' تاہم متعلقاتِ حدیث پر دو کتابیں لکھیں:

(۱) عجالۂ نافعہ (۲) بستان المحدثین

عجالۂ نافعہ اُصولِ حدیث کے متعلق فارسی زبان میں تصنیف کی۔ اس کتاب میں انہوں نے مصطلحاتِ حدیث اور اس کے اقسام ومراتب اور احادیث کی تنقید کے اصول و قواعد نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ ان اصول وقواعد کی روشنی میں احادیث کے موضوع، صحیح، حسن اور متفق علیہ ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

بستان المحدثین بھی فارسی زبان میں ہے۔ یہ کتاب فن تاریخ کا ایک بہترین ذخیرہ ہے۔ مستند وجامع اور عمدہ ومعتبر ہونے کی وجہ سے قبولِ عام کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کتاب میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے محدثین کے حالات اور ان کی کتبِ حدیث کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کتاب کا بھی اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ان دونوں کتابوں کے بارے میں لکھتے ہیں :

''بستان المحدثین اور عجالہ نافعہ جیسی مفید کتابیں تصنیف کیں جو حدیث کا صحیح ذوق، طبقات حدیث سے واقفیت اور محدثین کا مرتبہ شناس بناتی اور اصول سے واقف کرتی ہیں، اور جن میں سینکڑوں صفحات کا عطر آ گیا ہے''۔

(تاریخ دعوت وعزیمت: جلد۵، ص ۳۵۸)

وفات

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ۷ شوال ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۲ء کو انتقال کیا۔ انّا للّٰہ وانّا راجعون آپ کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبرستان مہندیاں میں اپنے والد محترم حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ (تراجم علمائے حدیث ہند: ص ۶۲)

شاہ رفیع الدین دہلویؒ

شاہ رفیع الدین دہلویؒ حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے دوسرے بیٹے تھے۔ ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل اپنے والد بزرگوار اور برادر اکبر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی سے کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد ساری عمر اپنے آبائی مدرسہ رحیمیہ میں حدیث کی تدریس فرمائی۔ قرآن حکیم کا لفظی ترجمہ شاہ رفیع الدین دہلویؒ کا بہت بڑا علمی کارنامہ ہے۔

علم وفضل کے اعتبار سے جامع الکمالات تھے۔علمِ ریاضی میں ان کا تبحرِ علمی مسلّم تھا۔آپؒ نے ۶ شوال ۱۲۳۳ھ/ ۹/اگست ۱۸۱۸ء کو دہلی میں انتقال کیا۔

شاہ عبدالقادر دہلویؒ

شاہ عبدالقادر دہلویؒ حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تیسرے فرزند تھے۔ ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ جب شاہ ولی اللہؒ نے سفرِ آخرت اختیار کیا تو اُس وقت ان کی عمر تقریباً دس سال تھی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی اور تکمیل حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے کی۔

آپؒ نے قرآن حکیم کا پہلا بامحاورہ اردو ترجمہ کیا اور ''موضح القرآن'' کے عنوان سے قرآن حکیم کے تفسیری نکات تحریر کیے۔

علم وفضل کے اعتبار سے جامع الکمالات تھے۔تمام علومِ اسلامیہ میں اُن کو یکساں قدرت حاصل تھی۔علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

> ''شاہ عبدالقادرؒ کو فقہ وتفسیر وحدیث میں یدِطولیٰ حاصل تھا۔تمام زندگی قرآن و حدیث کی تدریس میں صرف کردی''۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے ۱۹/رجب ۱۲۳۰ھ/ ۱۸۱۵ء کو دہلی میں انتقال کیا۔

شاہ عبدالغنی دہلویؒ

شاہ عبدالغنی دہلویؒ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے چوتھے صاحبزادے تھے۔۱۱۷۰ھ / ۱۷۵۶ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔تقریباً سات سال کے تھے کہ آپ کے والدِ محترم حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے انتقال کیا۔تعلیم کا آغاز اپنے والد سے کیا۔

علومِ اسلامیہ کی تحصیل وتکمیل اپنے برادران حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور حضرت شاہ رفیع الدینؒ سے کی۔تکمیلِ تعلیم کے بعد درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔علم وفضل اور اخلاق و عادات کے اعتبار سے اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔حدیث وتفسیر میں یکتائے روزگار تھے۔

حضرت شاہ عبدالغنیؒ نے ۵۷ برس کی عمر میں ۱۲۲۷ھ / ۱۸۱۲ء کو دہلی میں انتقال کیا۔انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔(شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور ان کی علمی خدمات:ص ۱۵۸)

عجیب اتفاق

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے صاحبزادگان میں سب سے پہلے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ

پیدا ہوئے۔ ان کے بعد دوسرے نمبر پر شاہ رفیع الدینؒ تیسرے نمبر پر شاہ عبدالقادرؒ اور چوتھے نمبر پر شاہ عبدالغنیؒ پیدا ہوئے۔ لیکن ان چاروں بھائیوں کی وفات اس طرح ہوئی کہ سب سے پہلے شاہ عبدالغنی نے انتقال کیا' اُن کے بعد شاہ عبدالقادرؒ نے' پھر شاہ رفیع الدینؒ نے اور سب سے آخر میں شاہ عبدالعزیزؒ نے وفات پائی۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں:

''کہ ترتیب منعکسہ در رحلت برادران واقع شدہ یعنی اول مولوی عبدالغنی کہ خوردترین ہمہ ہا بودند' بعد ازاں مولوی عبدالقادر' از اُوشان بعدہ مولوی رفیع الدین کلاں از اُوشان حالانکہ کلاں سال از اُوشان ہستم باری ماست''۔ (ملفوظات عزیزی: ص۸۴'۸۹)

یعنی ہم چاروں بھائیوں میں وفات کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے مولوی عبدالغنی فوت ہوئے' جو سب سے چھوٹے تھے' اِس کے بعد مولوی عبدالقادر' پھر مولوی رفیع الدین جو اُن سے بڑے تھے' حالانکہ میں سب سے بڑا ہوں اور میری باری تھی۔

تفصیل درج ذیل نقشہ سے ملاحظہ فرمائیں۔

ترتیبِ سنِ ولادت

(۱) شاہ عبدالعزیز محدث	۱۱۵۹ھ ـــــ ۱۷۴۵ء
(۲) شاہ رفیع الدین محدث	۱۱۶۳ھ ـــــ ۱۷۴۹ء
(۳) شاہ عبدالقادر محدث	۱۱۶۷ھ ـــــ ۱۷۵۳ء
(۴) شاہ عبدالغنی محدث	۱۱۷۰ھ ـــــ ۱۷۵۶ء

ترتیبِ سنِ وفات

(۱) شاہ عبدالغنی محدث	۱۲۲۷ھ ـــــ ۱۸۱۲ء
(۲) شاہ عبدالقادر محدث	۱۲۳۰ھ ـــــ ۱۸۱۵ء
(۳) شاہ رفیع الدین محدث	۱۲۳۳ھ ـــــ ۱۸۱۸ء
(۴) شاہ عبدالعزیز محدث	۱۲۳۹ھ ـــــ ۱۸۲۲ء

شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلویؒ

حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید بن مولانا شاہ عبدالغنیؒ بن حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا شمار ممتاز ائمۂ دین اور بلند پایہ محدثین میں ہوتا ہے۔ علم و فضل کے اعتبار سے اُن کا

مرتبہ ومقام بہت بلند ہے۔حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ان کو''تاج المفسرین'' ''فخرالمحدثین'' اور''علائے محققین'' کے القاب سے یاد کیا ہے۔حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہید ایک جیّد عالمِ دین، مفکر، قاطع بدعت، بلند پایہ محدث، مبلغ، فقیہہ، مجتہد، خطیب اور مصنف تھے۔علاوہ ازیں بہت زیادہ عابد، زاہد مرتاض، صاحب تقویٰ وطہارت، شجاع، ذہین وفطین، فہم وبصیرت میں یکتا اور بلند اخلاق واوصاف کے مالک تھے۔

مولوی رحمان علی بریلوی لکھتے ہیں:

''ابن مولوی عبدالغنی بن مولانا شاہ ولی اللہؒ در ریاضت ورسائی فکر یگانہ روزگار ومشارٌ الیہ علمای کبار بود''۔ (تذکرہ علمائے ہند:ص۱۷۹)

یعنی مولوی شاہ عبدالغنی کے فرزند اور شاہ ولی اللہؒ کے پوتے ریاضت اور فہم وفکر میں یگانہ روزگار تھے۔حلقۂ کبار علماء میں مشارالیہ تھے۔

مولانا سید نواب صدیق حسن خاں فرماتے ہیں:

''اِس خاندان (ولی اللّٰہی) کا ہر فرد علم وعمل، عقل وفہم، زورِ تقریر، فصاحتِ تحریر، ورع و تقویٰ، دیانت وامانت اور مراتبِ ولایت میں یگانہ روزگار، فریدِ دہر اور وحیدِ عصر تھا۔ اُن کی اولاد کی اولاد بھی انہی درجاتِ بلند پر فائز تھی''۔ (اتحاف النبلاء:ص۴۳۰)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

''جہاں تک مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلویؒ کا تعلق ہے، وہ ان اولوالعزم، عالی ہمت، ذکی، جری اور غیر معمولی افراد میں سے تھے جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ مجتہدانہ دماغ کے مالک تھے''۔ (تاریخ دعوت وعزیمت: ج۵، ص۳۷۸)

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

''ہندوستان نے ایک مولوی پیدا کیا اور وہ مولوی شاہ محمد اسمٰعیلؒ کی ذات تھی''۔ (ایسپیکٹس آف شاہ اسمٰعیل شہید:ص۴۴)

مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ فرزند توحید تھے۔۱۲ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ بمطابق ۱۲/اپریل ۱۷۷۹ء کو پیدا ہوئے۔تعلیم کا آغاز اپنے والد مولانا شاہ عبدالغنی سے کیا۔۸ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔والد محترم کے انتقال کے بعد علوم اسلامیہ کی تکمیل مولانا شاہ عبدالقادرؒ اور مولانا شاہ عبدالعزیزؒ سے کی۔تکمیل تعلیم کے بعد کچھ مدت مدرسہ رحیمیہ میں تدریس فرمائی۔جب حضرت سید احمد شہیدؒ دہلی تشریف لائے تو اُن سے بیعت ہوئے۔جب حضرت

سید احمد شہید کی زیر قیادت تحریکِ جہاد شروع ہوئی تو مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید مسند درس چھوڑ کر صفِ جہاد میں جا کھڑے ہوئے۔ ؎

حاصلِ عمر نثارِ سر یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

حضرت شاہ اسمٰعیلؒ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ بمطابق ۵ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے ہمراہ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

خدماتِ حدیث

حدیث کی تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے تصنیف و تالیف کی طرف بھی توجہ کی اور حدیث کی تصنیفی خدمت کے سلسلہ میں بزبان عربی ایک کتاب بنام ''تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین'' لکھی۔ اس کتاب میں آپ نے متعدد احادیث کے حوالے سے نماز میں رفع الیدین کرنے کا ثبوت بہم پہنچایا ہے اور اس کے ساتھ تقلید اور عدم تقلید کے مسئلے پر بھی مدلل بحث کی ہے۔

یہ آپ کی وہ بے نظیر کتاب ہے جس پر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے اظہارِ پسندیدگی فرمایا تھا اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تو یہ بھی فرمایا تھا:

''خدا کا شکر ہے کہ یہ گھر محققین علم حدیث سے خالی نہیں ہے''۔ (اتحاف النبلاء، ص ۴۴)

اس کتاب میں تقلید شخصی کی تردید بھی کی گئی تھی، اس لیے مقلدین حضرات کو یہ کتاب انتہائی ناگوار گزری۔ چنانچہ اس کی تردید میں مولوی محمد شاہ پاک پٹنی (مقلد) نے ''تنویر الحق'' کے نام سے کتاب لکھی۔ اس کے جواب میں علمائے اہلحدیث کی طرف سے شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلویؒ نے مدلل و مفصل کتاب ''معیار الحق'' کے نام سے تصنیف فرمائی۔ مولوی ارشاد حسین رام پوری نے ''معیار الحق'' کے جواب میں ''انتصار الحق'' کے نام سے کتاب لکھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے مطالعہ میں یہ دونوں کتابیں آئیں تو آپ نے فرمایا:

''مجھ پر معیار الحق کی سنجیدہ اور وزنی بحث کا بہت اثر پڑا، اور صاحب ارشاد الحق (انتصار الحق) کا علمی ضعف صاف نظر آ گیا''۔ (آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی: ص ۳۶۶)

مولوی ارشاد حسین رام پوری نے چیلنج کیا تھا کہ کوئی غیر مقلد عالم میری اس کتاب کا جواب نہیں دے سکے گا۔لیکن میاں صاحب کے تلمیذ رشید مولانا سید امیر حسن سہوانی نے ''انتصار الحق'' کا جواب ایک دن میں ''براہین اثنا عشر'' کے نام سے لکھا اور اس کی ایک نقل مولانا عبدالحی لکھنوی کو ارسال کی۔اس کو پڑھ کر مولانا عبدالحی نے اس کی تحسین فرمائی۔

''انتصار الحق'' کا دوسرا جواب مولانا سید احمد حسن دہلوی نے ''تلخیص الانظار فیما بنی علیہ الانتصار'' کے نام سے' تیسرا جواب مولانا شہود الحق عظیم آبادی نے بعنوان ''البحر الزخار لازہاق صاحب الانتصار'' اور چوتھا جواب مولانا احتشام الدین مراد آبادی نے ''اختیار الحق'' کے نام سے لکھا۔

شاہ محمد اسحاق دہلویؒ

حضرت شاہ محمد اسحاق بن مولانا محمد افضل فاروقی سیالکوٹی' حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے نواسے تھے۔۱۱۹۲ھ/۱۷۷۹ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔علوم اسلامیہ کی تحصیل اپنے نانا حضرت شاہ عبدالعزیز محدث' مولانا شاہ رفیع الدین اور مولانا شاہ عبدالقادرؒ سے کی۔تکمیل تعلیم کے بعد اپنے آبائی مدرسہ رحیمیہ میں اپنے نانا کی زیر نگرانی بیس سال تک تدریس فرماتے رہے اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے انتقال کے بعد اُن کے جانشین مقرر ہوئے۔آپ نے دہلی میں ۱۲۳۶ھ سے لے کر ۱۲۵۸ھ تک حدیث کی تدریس فرمائی۔پھر مکہ معظمہ ہجرت کرنے کے بعد ۱۲۵۸ھ سے ۱۲۶۲ھ تک حجازِ مقدس میں بھی تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔

علم وفضل کے اعتبار سے یگانہ آفاق تھے۔ان کی ساری زندگی حدیث کی تدریس میں صرف ہوئی۔بڑے بڑے علمائے کرام نے آپ سے حدیث کا درس لیا۔برعظیم کے علاوہ عالم اسلام کے نامور علمائے کرام نے بھی آپ سے استفادہ کیا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

> ''ہندوستان کے صدہا علماء نے آپ سے حدیث کا درس لیا اور بڑے بڑے علماء اور اساتذہ حدیث نے بلاد وامصار سے آ کر آپ سے استفادہ کیا' اور حدیث کی سند لی۔ان میں شیخ عبداللہ سراج مکی اور دوسرے کبار علماء شامل ہیں''۔
>
> (تاریخ دعوت وعزیمت: جلد۵' ص۳۷۹)

مولانا سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے آپ کے درس میں بڑی برکت عطا فرمائی۔تمام بڑے بڑے علماء آپ کے شاگرد تھے''۔(مقالاتِ سلیمان: ج۲'ص۵۲)

مولوی ابو یحییٰ امام خاں نوشہرویؒ لکھتے ہیں:

''اپنے نانا مرحوم کی زندگی میں تدریس شروع کی۔ برسوں حضرت کی زندگی میں پڑھایا اور بعد میں تو زینت مسند ہی تھے۔ درس کے اس اہتمام کی وجہ سے ''الصدر الحمید'' کے لقب سے مشہور ہوئے''۔ (تراجم علمائے حدیث ہند:ص۱۱۷)

تلامذہ

ان کے مشہور تلامذہ یہ ہیں: مولانا احمد علی سہارن پوری' مولانا نواب صدرالدین خاں دہلوی' مولانا نواب قطب الدین خاں دہلوی' مولانا عالم علی مرادآبادی' مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی' مولانا شیخ محمد تھانوی' مولانا شاہ عبدالغنی مجددی' مولانا عبدالقیوم بھوپالی' مولانا شاہ محمد عمر بن مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلوی' مولانا شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادی وغیرہم رحمہم اللہ اجمعین۔

وفات

جوارِ حرم میں چار سال اور چند ماہ علم و عمل میں مشغول رہنے کے بعد رجب ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۶ءکو راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔

آپ کے غسلِ جنازہ کے موقع پر آپ کے تلمیذ رشید شیخ عبداللہ سراج مکی نے فرمایا تھا:

واللہ انه لو عاش و قرات علیه الحدیث طول عمری مانلت ماناله

(الحیاۃ بعدالمماۃ' ص ۳۸)

''بخدا اگر یہ زندہ رہتے اور میں تمام عمر ان سے حدیث پڑھتا' تو اُس رتبے کو نہ پہنچ سکتا جس پر یہ پہنچ چکے تھے''۔

تبحرِ علمی

حضرت شاہ محمد اسحاقؒ تمام علومِ اسلامیہ میں تبحر علمی رکھتے تھے اور علم حدیث کے تمام گوشوں میں بہت بلند مقام رکھتے تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسمٰعیل و اسحاق

(الحیاۃ بعدالمماۃ :ص ۱۰۸)

''اللہ کی بے انتہا تعریف ہے کہ جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحاق عطا فرمائے''۔

حضرت شاہ محمد اسحاقؒ کے زہد و ورع' تقویٰ و طہارت کے بارے میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرمایا کرتے تھے:

''میری تقریر اسمٰعیلؒ (شہید) نے' تحریر رشید الدینؒ نے اور تقویٰ اسحاقؒ نے لے لیا''۔ (تواریخ عجیبہ: ص ۱۴۳)

علماءِ مسلمین کا عالمی اتحاد

تعارف اور روداد اجلاس

تحریر: ڈاکٹر صہیب حسن ☆

''علماءِ مسلمین کا عالمی اتحاد'' پچھلے سال ۱۱ جولائی ۲۰۰۴ء میں قائم کیا گیا تھا۔ تأسیسی اجلاس لندن میں منعقد ہوا تھا جس میں برطانیہ اور عالمِ اسلام سے تین سو کے قریب مندوبین شریک ہوئے تھے۔ مقصد یہی تھا کہ اُمت مسلمہ کو پیش آمدہ مسائل میں علماء رہنمائی دے سکیں اور کسی بھی داخلی یا خارجی دباؤ کے بغیر کلمۂ حق کہتے رہنے کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں۔ اتحاد کے اوّلین داعی شیخ محمد یوسف القرضاوی کو بالاتفاق صدر منتخب کیا گیا اور اُن کی معاونت کے لیے تین نائب صدور کا انتخاب عمل میں آیا جو اُمت مسلمہ میں موجود تین فقہی اور عقائدی رجحانات کی نمائندگی کر رہے تھے، اور وہ یہ تھے: موریطانیہ کے سابق وزیر عدل اور ایک عظیم علمی شخصیت شیخ عبداللہ بن بیَّہ، تقریب بین المذاہب کی عالمی مجلس کے روحِ رواں ایران کے آیت اللہ محمد علی تسخیری، اور سلطنت عُمان کے شیخ احمد بن حمد الخلیلی۔

مصر کے ایک مشہور وکیل اور صحافی جناب سلیم العوّاء کو سیکریٹری جنرل کا اعزاز دیا گیا۔

مندوبین میں سے بیس افراد پر مشتمل مجلس اُمَناء (ٹرسٹیز کونسل) ترتیب دی گئی جن میں مذکورہ بالا افراد کے علاوہ مندرجہ ذیل افراد شامل ہیں:

۱) شیخ فیصل مولوی (لبنان)	۲) ڈاکٹر احمد العسّال (مصر)
۳) شیخ عبداللطیف المحمود (بحرین)	۴) ڈاکٹر احمد الریسونی (مراکش)
۵) شیخ خالد المذکور (کویت)	۶) ڈاکٹر علی قرہ داغی (قطر)
۷) شیخ عبدالرحمٰن آل محمود (قطر)	۸) شیخ صہیب حسن (برطانیہ)
۹) شیخ احمد لیمو (نائیجریا)	۱۰) ڈاکٹر جمال بدوی (کینیڈا)
۱۱) شیخ عصام الدین بشیر (سوڈان)	۱۲) ڈاکٹر محمد ہیثم الخیاط (سوریا)

☆ ممبر مجلس اُمَناء۔ سیکریٹری اسلامک شریعہ کونسل (برطانیہ)

۱۳) ڈاکٹر محمد عمر الزبیر (سعودی عرب) ۱۴) ڈاکٹر محمد ہدایت (انڈونیشیا)
۱۵) ڈاکٹر عمار الطالبی (تونس) ۱۶) ڈاکٹر بسّام الصبّاغ (سوریا)

اس کے ساتھ ساتھ تیس افراد پر مشتمل مستشارین (ایڈوائزرز) کا بورڈ بھی تشکیل دیا گیا۔ اتحاد کے کام کو آگے بڑھانے کے لیے مجلس اُمَناء کے اب تک دو اجلاس بیروت میں ہو چکے ہیں۔ پہلا اجلاس ۱۸، ۱۹ نومبر ۲۰۰۴ء میں اور دوسرا اجلاس ۱۲، ۱۳ مئی ۲۰۰۵ء کو منعقد ہوا۔ مؤخر الذکر اجلاس میں تقریباً ستر صفحات پر مشتمل ''میثاقِ اسلامی'' کو متعارف کرایا گیا جسے اتحاد کے منشور سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ اراکینِ کونسل کو میثاق کی ایک ایک شق پر بحث کرنے کے لیے کافی وقت درکار تھا اس لیے طے کیا گیا کہ ایک ماہ کے اندر اندر تمام اراکین، سیکریٹریٹ کو اپنی آراء، تجاویز اور تصحیحات سے آگاہ کر دیں گے، تاکہ اس میثاق کو جلد از جلد آخری شکل دی جا سکے۔

اجلاس کے دوران کئی انتظامی امور پر بحث کی گئی، چند کمیٹیوں کی رپورٹیں گوش گزار کی گئیں اور پچھلی کاوشوں کا جائزہ لیا گیا۔

یہاں اختتامی بیان کے مندرجات پیش کیے جاتے ہیں کہ جس میں حالاتِ حاضرہ سے متعلق اکثر حالات کا احاطہ کر دیا گیا ہے۔

اختتامی بیان (عربی سے ترجمہ)

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور نبی ﷺ پر صلاۃ و سلام کے بعد عرض ہے کہ علماء مسلمین کے عالمی اتحاد کی مجلس اُمَناء نے اپنے حالیہ اجلاس منعقدہ بیروت (لبنان) میں اُمت مسلمہ آج کل جن حالات سے دوچار ہے، اُن کا تفصیلی جائزہ لیا اور بحیثیت اہلِ علم اور بر بنائے نصیحت اور رہنمائی اُمت کے تمام طبقات اور خاص طور پر حکام اور عوام کے سامنے اِن امور کا بیان کرنا ضروری سمجھا:

۱) علماءِ مسلمین کا عالمی اتحاد اُمت اسلامیہ کو انتہا پسند صہیونی یہودیوں کی جانب سے مسجد اقصیٰ کو لاحق اُن خطرات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہے جو اِن جنونی شر پسندوں کے عبادت کے بہانے زبردستی مسجد میں داخل ہونے اور وہاں قابض ہو جانے کی صورت میں پیدا ہو سکتے ہیں، اور جس کے نتیجے میں وہ اپنے ناپاک ارادوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مسجد اقصیٰ کو شہید کر کے اُس کے کھنڈرات پر اپنے مزعومہ ہیکل کی تعمیر کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ یہ ''اتحاد'' بیت المقدس سے متعلق اِن تنظیموں کے اس بیان کی بھرپور تائید کرتا ہے کہ

اس نئی صہیونی سازش سے مسجد اقصیٰ کو بچایا جائے اور اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ مسجد اقصیٰ کی حفاظت کرنا تمام مسلمانوں، مسلم تنظیموں، حکومتوں اور اقوام کا فرض ہے، بلکہ مسجد اقصیٰ کی حفاظت کے لیے ہر مسلمان کا دامے، درمے، سخنے اُٹھ کھڑا ہونا اب فرضِ عین کی حیثیت رکھتا ہے۔ ''اتحاد'' اُمت کے تمام علماء، مبلغین، مفکرین اور اہل دانش سے اپیل کرتا ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں، اُمت مسلمہ کو مسجد اقصیٰ کو لاحق اس خطرے سے بخوبی باخبر کریں اور انہیں اس گھناؤنی صہیونی سازش کا یک جسم و جان ہو کر مقابلہ کرنے پر آمادہ کریں۔ ''اتحاد'' اُن تمام ممالک اور عالمی تنظیموں سے جو اِس مسئلہ سے تعلق رکھتی ہیں، اپیل کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے حقوق اور اُن کے متبرک مقامات پر کسی قسم کے ظلم میں شریک نہ ہوں، کیونکہ یہی حق کا تقاضا ہے اور اسی طرح اُن کے اپنے مفادات کا بچاؤ بھی ہو سکتا ہے اور عالمِ اسلام سے اُن کے تعلقات بھی برقرار رہ سکتے ہیں۔

۲) جس طرح سے فلسطینی انتہائی بہادری سے اپنے موقف کا دفاع کر رہے ہیں، وہ اُن بہترین اور قابل تکریم معرکوں کی یاد دلاتا ہے جو ماضی اور حال میں اِس اُمت کا شعار رہا ہے۔ اُن کا یہ دفاع ناجائز قبضے کے مقابلے میں ایک شرعی اور قانونی حق بنتا ہے جسے نہ صرف اسلام بلکہ ساری دینی شریعتیں جائز قرار دیتی ہیں اور جس کے جائز ہونے کا اقوامِ متحدہ کی بیشتر قراردادوں میں بھی ذکر ہے۔ اب ہر مسلمان کا فرض ہے کہ حسبِ استطاعت اُن کی امداد کرے۔ فلسطینیوں کی مزاحمتی تحریک تعریف و تحسین کی مستحق ہے کہ دوسروں سے معاملہ کرتے وقت اُس نے خوب معاملہ فہمی اور بردباری کا مظاہرہ کیا ہے اور فلسطینیوں کی صفوں میں داخلی یا خارجی طور پر کسی قسم کی تفرقہ بازی سے اپنے آپ کو بچائے رکھنے کی پوری کوشش کی ہے۔ ''اتحاد'' مزاحمتی تحریک کے تمام فریقوں کو شاباش دیتا ہے کہ انہوں نے آپس میں خون ریزی کو حرام قرار دے رکھا ہے اور مسئلۂ فلسطین کے ضمن میں وطن اور اسلام کے مسلّمہ اصولوں کی پاسداری کی ہے۔

۳) ''اتحاد'' اُمت اسلامیہ کے تمام افراد کو اِس بات کی طرف دعوت دیتا ہے کہ ہر طرف سے ہونے والی یلغار کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ خوب سے خوب تر استعداد پیدا کریں کہ یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ فحوائے الفاظِ قرآنی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ﴾ (النساء: ۷۱)

''اے ایمان والو! اپنے بچاؤ کا سامان مہیا کرو''۔

دشمنانِ اسلام ہر طرح سے اسلام کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ اُن کا بس نہیں چلتا کہ اسلامی

شعائر' نشانات اور متبرک مقامات کو کسی سبب یا بغیر کسی سبب کے نشانۂ تضحیک بناتے رہیں۔ انہی دنوں عالمی اور امریکی میڈیا نے گوانتاناموبے میں قرآن کریم کی بے حرمتی کے واقعات نقل کیے ہیں جس سے صراحتاً مسلمانوں کی مقدس ترین متاع کی بے حرمتی' تمام دنیا میں مسلمانوں کے جذبات کی اشتعال انگیزی اور اُن اخلاقی اقدار کی توہین کی غمازی ہوتی ہے کہ جس کے بارے میں دو صاحبِ عقل اختلاف نہیں کر سکتے۔ اتحاد امریکی ذمہ دار افراد سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس معاملہ کی فوری تحقیق کی جائے' جلد از جلد اِس تحقیق کے نتائج کا اعلان کیا جائے' اس مجرمانہ فعل کے مرتکب حضرات کو قرارِ واقعی سزا دی جائے اور اس افسوس ناک واقعہ پر تمام مسلمانوں سے معافی مانگی جائے۔ اتحاد اُن کوششوں کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو عالمِ اسلامی کے مختلف ممالک میں سرکاری اور عوامی طور پر اِس واقعہ کی مذمت کے لیے کی گئیں۔

''اتحاد'' امریکی سپاہ کی اُن حرکتوں کی بھی شدید مذمت کرتا ہے جو انہوں نے گوانتاناموبے اور ابوغُریب کی جیلوں میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے ضمن میں کی ہیں اور ان انسانیت سوز حرکتوں کا ارتکاب کرنے والوں کا مؤاخذہ اور انہیں سزا دینے کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔

۴) ''اتحاد'' اقوام متحدہ کی حقوقِ انسانیت سے متعلق ذیلی کمیٹی کی اس تاریخی قرارداد کو خوش آمدید کہتا ہے کہ جس میں اسلاموفوبیا کے ضمن میں کی گئی تمام کارروائیوں کا مقابلہ کرنے کی شدید ضرورت کا اظہار کیا گیا ہے اور اس نسلی اور عنصری ظلم و بربریت کی مذمت کی گئی ہے جو اس جنگ کا حصہ بن چکا ہے جسے مغربی ممالک نے دہشت گردی کو مٹانے کی آڑ میں مسلمانوں پر مسلط کیا ہوا ہے۔

اس موضوع کو اٹھانے پر اتحاد'' او آئی سی'' (O.I.C) کے قابلِ تکریم موقف کی تعریف کرتا ہے اور اُن اسلامی ممالک کی بھی جنہوں نے یہ موقف اپنایا اور اُن کی اِس بات کی بھی تائید کرتا ہے کہ دین اسلام کو اِس طرح پیش کرنا کہ جس میں شدت پسندی کا دخل ہو اور جس کے ڈانڈے دہشت گردی سے جوڑے جاسکیں' دین اسلام کی صحیح تصویر کو بگاڑنے اور نفرت کی ثقافت کو اجاگر کرنے کے مترادف ہے اور جس کی بنا پر مسلمان مزید زیادتیوں کا نشانہ بنے ہیں اور اُن کی عبادت گاہیں اور قابلِ احترام جگہیں پچھلے دنوں بار بار غارت گری کا شکار بنتی رہی ہیں۔

''اتحاد'' امریکہ' کینیڈا اور یورپی یونین کے ممالک کا اس قرارداد سے اس بنا پر مواقفت نہ کرنے پر افسوس کا اظہار کرتا ہے کہ یہ قرارداد بقول اُن کے اسلام کے علاوہ

دوسرے ادیان اور مذہبی گروہوں کا احاطہ نہیں کر پائی' حالانکہ وہ بھول جاتے ہیں کہ ''سامیت دشمنی'' کے نام پر وہ خود ایک جانبدارانہ موقف اختیار کیے ہوئے ہیں اور اس طرح ایک دوہرے معیار کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

۵) ''اتحاد'' پوری دلچسپی کے ساتھ پوپ بینیڈکٹ (XVI) کے مختلف ادیان کے مابین مذاکرات کے اصول کو اپنانے سے متعلق بیان سے آگاہ ہے اور ہر اس شخصیت کو خوش آمدید کہتا ہے جو باہمی بات چیت کی حامی ہو' اور ہر ممکن وسیلہ کو بروئے کار لا کر بنی نوع انسان کے مابین نفرت اور کراہیت کو دور کرنے کے لیے کوشاں ہو۔ اور یورپ کے ان کیتھولک کارڈینل کی دعوت کو بھی خوش آمدید کہتا ہے کہ جس میں اسلام اور عیسائیت کو پیش آمدہ تمام چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں کو مستقبل کا حلیف قرار دیا گیا ہے کہ جن میں سب سے بڑا چیلنج وہ موجودہ طرزِ حیات ہے جو نہ صرف مادیت میں پوری طرح غرق ہے بلکہ اُن تمام اخلاقی اقدار اور ضابطوں سے بھی مادر پدر آزاد ہے کہ جو تمام ادیان کے نزدیک مسلمہ اصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اتحاد اِن قابلِ احترام کارڈینل حضرات کی اس رائے کو قابل قدر نگاہ سے دیکھتا ہے کہ اسلام اور اہلِ اسلام کے ساتھ مل کر کام کرنا نہ صرف یورپ میں بلکہ تمام عالم اسلام میں امن قائم کرنے میں بڑا مددگار ثابت ہوگا۔

۶) ''اتحاد'' بین الاقوامی کانفرنس کے اتحاد اسلامی کے موضوع پر تہران (اسلامی جمہوریہ ایران) میں منعقدہ اٹھارہویں اجلاس کے اختتامی بیان کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور خاص طور پر اس تجویز کو کہ بین الاقوامی سطح پر مسلم مفکرین کے مابین تعلقات اور تعاون کے طریقوں کو مزید مضبوط بنایا جائے' تاکہ اُمت کے مسائل کا حل نکالا جا سکے' مسلم ممالک کے وسائلِ نشر و اشاعت کی مناسب رہنمائی کی جا سکے اور جدید سے جدید معلومات کا ساتھ دینے کے لیے ان کے معیار کو بلند کیا جا سکے اور میڈیا میں اسلام کے خلاف پھیلائے گئے افکار کا مُنہ توڑ جواب دیا جا سکے۔ اور ایسے ہی وہ کانفرنس کی اس تجویز کو بھی خوش آمدید کہتا ہے کہ عالم اسلام میں جہاں کہیں بھی غیر ملکی قبضے کے خلاف اسلامی مزاحمتی تحریکیں جاری ہیں ان کی مدد کی جائے۔ اور تمام ایسے مخلص حضرات کے نام اس دعوت کو بھی سراہتا ہے کہ وہ ان منفی طرزِ سلوک کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کریں کہ جن میں اسلامی تحریکات مبتلا ہو سکتی ہیں' اور جن میں فکری اور عملی انتہا پسندی اور بلامنصوبہ بندی عمل بھی شامل ہے کہ جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

۷) ''اتحاد'' عراق اور فلسطین میں قابض فوجوں کی اُن تمام گھناؤنی حرکات کی شدید مذمت کرتا ہے کہ جن کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی اور جو دورانِ جنگ شہریوں' طبی امداد دینے والوں اور جنگی قیدیوں سے متعلق تمام معاہدوں اور خاص طور پر جنیوا کنونشن کی کھلی کھلی خلاف ورزی پر مشتمل ہیں' اور ایسے ہی ان کے اُن کرتوتوں کی بھی جن میں بین الاقوامی قانون کے علی الرغم ممنوعہ اسلحہ کا استعمال' گھروں' پبلک عمارتوں' مساجد' گرجوں اور دیگر معابد کو نشانہ بنانا' ملک کے بنیادی ڈھانچہ کو تباہ کرنا' فصلوں اور حیوانات کو برباد کرنا' مساجد کے اندر زخمیوں کو تہہ تیغ کرنا' مصیبت زدہ افراد تک مدد پہنچنے میں حائل ہونا' ہسپتالوں پر اندھادھند بمباری کرنا اور طبی امداد دینے والوں کو اپنے انسانی فرائض کی بجاآوری سے روکنا بھی شامل ہیں۔

۸) ''اتحاد'' عراق کے تمام فرقوں اور جماعتوں کو باہمی رسّہ کشی اور خانہ جنگی کے فتنہ سے بچاؤ کے لیے اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کی دعوت دیتا ہے' تاکہ مناسب وسائل بروئے کار لاتے ہوئے ارضِ عراق کو قابض فوجوں سے پاک کرنے کے لیے یکجا مزاحمت کی جاسکے جو کہ اُن تمام اقوام کا دینی اور قانونی حق ہے جو غیر ملکی قبضے کا شکار ہو چکی ہوں اور یہ وہ حق بھی ہے کہ جسے بین الاقوامی معاہدات اور اقوامِ متحدہ کی اشیر باد بھی حاصل ہے۔

عراقی عوام کا عمومی طور پر اور وہاں کے مفکرین اور علماء کا خصوصی طور پر یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اُن گروہوں سے باخبر رہیں جو اسلام اور اہل اسلام کو اور مزاحمتی تحریک کو بدنام کرنا چاہتے ہیں۔ قومی سطح پر مزاحمتی تحریک کو ایسی تمام کوششوں کی مذمت کرنا چاہیے اور ان کے ایجنٹوں سے خبردار کرنا چاہیے۔ ''اتحاد'' تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ عراقی عوام کی دامے' دِرمے' سخنے پوری پوری مدد کریں اور ناجائز قبضہ کو جلد از جلد ختم کرانے اور ارضِ عراق کے ایک وحدت میں پروئے جانے کے مقاصد کو بروئے کار لانے میں ان کی ہم نوائی کریں۔

۹) ''اتحاد'' اُمت کے تمام فعال عناصر کے درمیان مکمل مصالحت اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ یہ وہ عناصر ہیں جن کا تعلق عوام سے بھی ہے اور حکام سے بھی' ان میں علماء اور مبلغین بھی شامل ہیں اور مختلف جماعتیں اور تنظیمیں بھی۔ اور اس کی بنیادوں میں شامل ہے حقوق کی کفالت' آزاد فضا کا قیام' میدانِ مشارکت میں وسعت پذیری کا ہونا اور اقوال و اعمال میں پرامن طریق کو اپنانا۔ ''اتحاد'' اصلاحِ اُمت' دعوت اِلی اللہ اور اُمت کے دینی اور وطنی مسلّمہ قواعد اور اصولوں کے پابند ہونے اور ان کا دفاع کرنے میں علماء کے

کردار کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے کہ ان کے فعال ہونے سے اُمت اس قابل ہوتی ہے کہ وہ اپنے مقصدِ حیات کو صحیح طریق سے انجام دے سکے' اور ان لوگوں کا راستہ کاٹ سکے جو اُس کی خانہ بربادی کے لیے کوشاں ہیں۔

۱۰) ''اتحاد'' اس ضروری امر کو انتہائی تاکید کے ساتھ بیان کرنا چاہتا ہے کہ اسلامی ممالک کو اپنے سیاسی' اقتصادی اور اجتماعی نظام اور اپنے تعلیمی اور تربیتی مناہج کی اس طرح اصلاح کرنی چاہیے کہ اس کا ماخذ اُمت کے مسلّمہ قواعد اور اصول ہوں' تمدنی خصوصیات اور ثقافتی اقدار کا لحاظ رکھا گیا ہو' لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے تاریخی و تکوینی مراحل اور دینی و وطنی اقدار پر آنچ نہ آتی ہو اور نہ ہی کسی بیرونی ہدایت کی بُو آتی ہو۔

۱۱) ''اتحاد'' اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ ساری کی ساری اُمت' چاہے وہ رعیت ہو یا حکومت' جسدِ واحد کی طرح ان تمام حکومتوں پر دباؤ ڈالے جو اپنے مسلمان شہریوں پر عرصۂ حیات تنگ کیے ہوئے ہیں' اور جو آئے دن اسلامی شعائر کی اور مسلمانوں کے احساسات کی توہین کرتی رہتی ہیں اور جن میں خاص طور پر چیچنیا' کشمیر' برما' تھائی لینڈ' فلپائن اور چند دوسرے ممالک سرفہرست ہیں' تاکہ ان ملکوں کے مسلمان شہری اپنے حقوق کامل طریق پر حاصل کرسکیں کہ جن میں آزادیٔ رائے' دینی شعائر کی ادائیگی اور مسلم اکثریتی علاقوں میں رائے دہی برائے آزادی کا حق شامل ہیں۔

۱۲) اتحاد لبنانی عوام کو اُن اندرونی اور بیرونی سازشوں کے مقابلہ کے لیے ایک صف میں کھڑا ہونے کی اپیل کرتا ہے جو اُس کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور اس کی قوت کو زک پہنچانے کے لیے کوشاں ہیں' اور انہیں اس قابل تعریف لبنانی مزاحمتی تحریک کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے ہونے کی دعوت دیتا ہے کہ جس نے صہیونی دشمن کے چھکے چھڑا دیے اور ارضِ لبنان کے بڑے حصے کو آزاد کرالیا۔ اتحاد کی نظر میں اِس وقت تمام لبنانیوں کا یہ فرض ہے کہ وہ گروہی انتشار چاہنے والوں اور داخلی طور پر فتنہ کھڑا کرنے والوں کے سامنے پوری قوت کے ساتھ سینہ سپر ہو جائیں' تاکہ لبنان اہل لبنان کے لیے ایک شریفانہ اور آزاد وطن کا اور تمام اہل عرب کے لیے ایک محفوظ قلعہ کا روپ دھار سکے۔

اور آخر میں ہماری ایک ہی پکار ہے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔

صدر اتحاد

ڈاکٹر یوسف القرضاوی

تحریک مجاہدین و جنگ امبیلہ

تحریر و تحقیق: قیصر علی

۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد برعظیم پاک و ہند میں انگریزوں کے خلاف سب سے بڑی و منظم تحریکِ آزادی سید احمد شہیدؒ کے جانشینوں نے چلائی جو کہ جانفشانی، جدوجہد، جہادِ مسلسل اور شہادتوں کی طویل داستان ہے۔ سید احمد شہیدؒ نے مئی ۱۸۳۱ء میں اپنے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ بالاکوٹ کے مقام پر سکھوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ ان کے باقی بچے کھچے مجاہدین نے، اس جنگ کے بعد، ۱۹۴۷ء تک شمع جہاد کو بجھنے نہیں دیا۔ ان کے مشن کو جاری رکھا۔ یہ آزادی کے متوالوں کی عظیم الشان داستان ہے جس پر سیاست بازی اور ملکی تاریخ دانوں کی کاہلی کی وجہ سے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ خود سید احمد شہیدؒ اور ان کے ساتھیوں کی داستانِ شجاعت و شہادت ملکی تاریخ و تحریک آزادی کا ایک درخشندہ باب ہے۔ اس پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جا سکتا ہے مگر ان کے جانشین بھی کبھی بھی چین سے نہیں بیٹھے۔ سید احمد شہید نے ملک کو سکھوں سے آزاد کرانے کے لئے جہادِ عظیم کیا۔ سکھوں کی جگہ جب انگریزوں نے لے لی تو سید احمد شہید کے جانشینوں نے جنہیں مجاہدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ملک کو انگریزوں سے پاک کرنے کی جدوجہد جاری رکھی جو کہ ایک ولولہ انگیز داستان ہے۔ انگریزوں کے خلاف آزادی کی جدوجہد کے عظیم ہیرو برعظیم میں صرف اور صرف سید احمد شہید اور ان کے مجاہدین ہیں۔

سانحہ بالاکوٹ کے بعد سید احمد شہید کے بچے کھچے ساتھی جو کہ صرف دو ڈھائی ہزار تھے، لڑتے مرتے موضع تختہ بند، ریاست بنیر کے علاقہ میں پہنچے۔ ان مجاہدین کی قیادت مولوی ولایت علی خان سکنہ پٹنہ ہندوستان کے ہاتھوں میں تھی۔ ان مجاہدین میں بنگال، ہندوستان اور صوبہ سرحد کے مجاہدین شامل تھے۔ ستھانہ جو کہ اب تربیلا کی جھیل کی وجہ سے زیرِ آب ہے، وہاں کے سید اکبر شاہ نے سید احمد شہید کا بھرپور ساتھ دیا اور وہ ان کے وزیرِ خزانہ اور دست

راست تھے۔ سید اکبر شاہ پیر بابا کے خاندان سے تھے۔ انہوں نے تمام بقیہ مجاہدین کو تختہ بند سے ستھانہ بلا لیا اور انہیں پناہ دی۔ یہ وہ مقام ہے جو سید احمد شہید کا ہیڈ کوارٹر بھی رہا۔ یہ ہری سنگھ سے بھی فتح نہ ہو سکا اور ۱۸۲۴ء میں رنجیت سنگھ بھی اسے سر نہ کر سکا اور اس کی تربیت یافتہ فوج کو زبردست نقصان پہنچا۔ ستھانہ مجاہدین کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ یہاں سے مجاہدین نے تمام ہندوستان کے لئے اپنا ڈاک و پیام رسانی کا نظام بنایا اور ہندوستان بھر سے آزادی کے متوالے، پہلے سکھوں اور پھر انگریزوں کے خلاف جہاد کے لئے یہاں آنے لگے۔ اسلحہ اور مالی امداد بھی ہندوستانی بھیجتے تھے۔ مجاہدین ستھانہ کے لئے بنگال، بہار اور دوسرے ہندوستانی صوبوں سے کمک آتی تھی۔ آزادی کے متوالے، شوقِ جہاد سے سرشار مسلمان بہار اور بنگال سے چار ہزار میل کا فاصلہ پیدل طے کر کے ستھانہ پہنچتے تھے۔ راستے کی صعوبتیں اور سکھوں اور انگریز حکومت کی جانچ پڑتال و پوچھ گچھ ان کا راستہ نہ روک سکتی تھی (گزیٹر آف پشاور ڈسٹرکٹ)

پہلے سکھوں اور پشاور کے بارک زئی سرداروں کی سازشوں کی وجہ سے علماءِ سُو نے سید احمد شہیدؒ اور ان کے مجاہدین پر وہابی ہونے کے فتوے جاری کئے۔ اس کے بعد یہ پالیسی انگریزوں نے جاری رکھی اور جگہ جگہ یہ پراپیگنڈا کرتے رہے کہ مجاہدین وہابی ہیں، ہندوستانی ہیں، مولوی ہیں۔ سرحد کے بعض چیدہ چیدہ خان خوانین نے بھی اس مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور لفظ وہابی گالی بن کر رہ گیا۔ حالانکہ سید صاحب اس کی تردید کرتے رہے۔ وہ تو صرف بدعتوں کے خلاف تھے۔ صوبہ سرحد کے پٹھانوں سے کہا جاتا کہ تم ہندوستانیوں اور پنجابیوں کی تقلید کر رہے ہو، مولویوں کے پیچھے چل رہے ہو۔ لیکن مجاہدین کے پائے استقلال میں لرزش نہ آئی۔ ۱۸۵۳ء میں محکمہ کسٹمز کے دو انگریزوں مسٹر کارن (CARNE) اور مسٹر ٹاپ (TAPP) کا لاڈھاکہ ہزارہ میں حسن زئی قبیلہ کی جاسوسی کے لئے گئے اور حسن زئیوں نے ان دونوں انگریزوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ اس پر لیفٹیننٹ کرنل میلسن ایک فوجی دستہ لے کر حسن زئیوں کی طرف بڑھا۔ جہانداد خان، نواب امب کی فوج بھی انگریزوں کی مدد کر رہی تھی۔ اس جنگ میں سید احمد شہید کے بقایا ہندوستانی مجاہدین نے حسن زئیوں سے پورا تعاون کیا۔ ہندوستانی مجاہدین نے امب میں کوٹلہ کا قلعہ فتح کر کے قبضہ میں لیا ہوا تھا۔ انگریزوں نے جنگ میں اس قلعہ کو اپنا نشانہ بنایا۔ مجاہدین آخری دم تک لڑے۔ کرنل میلسن نے خود حسن زئیوں کی بہادری کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

''یہ درست ہے کہ دشمن دیہاتی کسان تھے' لیکن اس کے باوجود وہ پہاڑی لڑائی کے خوگر و ماہر تھے۔ حسن زئیوں اور مجاہدین کو ایک منظم اور جدید اسلحہ اور توپوں سے لیس دوہری فوج کا سامنا تھا۔ وہ گولیاں ختم ہونے کے بعد تلواریں ننگی کر کے انگریز فوج پر جھپٹے لیکن بے بس ہو گئے۔''

اسی سال ۱۸۵۳ء میں کنڑ کے ایک مجاہد نے جو مجاہدین کی جماعت سے تھا' میکسن کو جو اُس وقت پشاور کا کمشنر تھا' چھری سے وار کر کے مال روڈ پر اپنے ہی بنگلے میں قتل کر دیا۔ کمشنر میکسن کی لاش اب بھی پشاور میں کمپنی باغ (خالد بن ولید باغ) کے گیٹ کے ساتھ ہی چوکور چبوترے میں دفن ہے۔ اس طرح مجاہدین نے کوٹلہ کے قلعے کا بدلہ چکا دیا۔

مجاہدین نے دفاعی نقطہ نظر کی بنا پر اپنا مرکز ستھانہ سے خدوخیل کے مقام پر منگل تھانہ منتقل کر دیا جو کہ صوابی سے شمال کی جانب پہاڑوں سے گھرا محفوظ مقام تھا۔ ان کا امیر مولوی عنایت علی خان تھا۔ اب مجاہدین کی سرگرمیوں کا رخ ڈگر' بنیر' سوات' مردان اور پشاور کی طرف ہو گیا۔ ان مجاہدین کو پیر بابا کے خانوادے کے جانشین سید اکبر شاہ کی سرپرستی حاصل تھی' جنہیں اُس وقت سوات کے لوگ اپنا بادشاہ بھی تسلیم کر چکے تھے۔ ان کا اس تمام علاقے میں زبردست اثر و رسوخ تھا اور لوگ ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ سید اکبر بادشاہ کی وجہ سے ایسا سمجھا جانے لگا تھا کہ مجاہدین کی سوات میں حکومت بن گئی ہے' لیکن عین جنگ آزادی کے پہلے ہی دن ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو سید اکبر شاہ انتقال کر گئے جس کی وجہ سے مجاہدین جنگ آزادی میں کوئی کردار ادا نہ کر سکے۔ سید اکبر شاہ کی وفات پر انگریزوں نے سکھ کا سانس لیا۔ گزیٹر آف پشاور میں بھی اس کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ اولف کیرو بھی سید اکبر شاہ کی جنگ آزادی کے شروع میں ہی وفات کو انگریزوں کی خوش قسمتی و خوش بختی قرار دیتا ہے۔

جنگ نارنجی و مجاہدین

۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی شروع ہوتے ہی نوشہرہ اور مردان کی ۵۵ رجمنٹ نے بغاوت کر دی۔ فتح خان خٹک نے انعام کے لالچ میں غداری کی اور اس بغاوت کی اطلاع پہلے سے انگریزوں کو دے دی۔ باغیوں نے اسلحہ خانوں سے اسلحہ لوٹ لیا اور سوات کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کے پاس اُس وقت کوئی قابل ذکر قیادت نہ تھی۔ ان کا تعاقب کرنل نکلسن نے اپنے دستوں کے ہمراہ کیا۔ راستے میں ۱۵۰ باغی سوات کی طرف بھاگتے ہوئے شہید ہوئے اور تقریباً اتنے ہی زخمی ہوئے' لیکن اس کے باوجود تقریباً ۵۰۰ سوات پہنچنے میں

کامیاب ہوگئے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے' سید اکبر شاہ انتقال کر گئے تھے اور سوات میں عبدالغفور المعروف اخوند صاحب نے حکومت سنبھال لی تھی جو کہ صافی قبیلہ کے چرواہے تھے اور انہوں نے سیدو میں یوسف زئی قبیلہ کی عورت سے شادی کی تھی (اولف کیرو)۔ جب ۵۰۰ باغی سپاہی مردان سے سوات پہنچے تو اخوند صاحب کو ڈر پیدا ہو گیا کہ یہ تربیت یافتہ مسلح باغی کہیں سید اکبر بادشاہ مرحوم کے بیٹے کو دوبارہ بادشاہ نہ بنا دیں یا مجاہدین سے نہ مل جائیں۔ نتیجے کے طور پر اخوند صاحب نے ان کو سوات میں پناہ نہ دی اور ان کو نکال دیا (سید میر بادشاہ بخاری' گزیٹر آف پشاور)۔ سید میر بادشاہ بخاری اپنی کتاب تحریک مجاہدین کے صفحہ ۶۶ پر تحریر کرتے ہیں کہ اخوند صاحب کا انگریزوں سے دوستی کا خفیہ معاہدہ ہو چکا تھا۔ وہ اخوند صاحب کے بڑے بیٹے عبدالحنان کے ایک خط کا حوالہ دیتے ہیں جو اس نے لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کے نام ۲۲ فروری ۱۸۸۵ء میں لکھا ہے۔

''یہ واضح ہے کہ حکومت برطانیہ اور میرے والد کے درمیان ماضی میں دوستانہ تعلقات موجود تھے۔ تقریباً چوبیس سال قبل میرے باپ نے برطانوی حکومت کے ساتھ بنیر کی سرحد پر ایک معاہدہ کیا تھا اور اب تک فریقین نے اس کی خلاف ورزی نہیں کی ہے۔''

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں آخری مغلیہ تاجدار بہادر شاہ ظفر کے بیٹے فیروز شاہ کا کردار بڑا نمایاں تھا۔ جب وہ بھی شکست کے بعد خوار و زار سوات پہنچا تو اخوند صاحب نے اس کو بھی سوات سے فوراً نکلوا دیا۔ انگریزوں نے خود اس بات کا برملا اظہار کیا ہے کہ اگر اخوند صاحب سوات ۵۵ دیسی رجمنٹ کو پناہ دے دیتے اور اِس وقت ہمارے خلاف اعلانِ جہاد کرتے تو اِس میں شک نہیں کہ وادیٔ پشاور میں ایک آگ لگ جاتی اور ہمیں بے انتہا مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا (Expedition,p.84) سید میر بادشاہ بخاری تحریر کرتے ہیں کہ دراصل اخوند سوات نے ایسی پالیسی بنائی تھی کہ کسی طریقہ سے سوات کی حکومت مستقل طور پر اس کی اولاد کو ہاتھ آئے اور اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ کوشاں تھا۔

بہرحال سوات سے نکل کر مجاہدین چند سو ۵۵ رجمنٹ کے سپاہیوں سمیت پنجتار نزد صوابی میں آباد ہوئے اور کچھ منگل تھانہ اور کچھ نزدیک کے پہاڑی سلسلے ستھانہ میں۔ ان کے سربراہ اُس وقت مولوی عنایت علی خان تھے۔ انگریزوں نے ۴۰۰ گھڑسواروں اور پیادوں کے دستہ سے مع دو توپوں کے منگل تھانہ پر اچانک حملہ کر دیا اور دو دیہاتوں کی اینٹ سے

اینٹ بجادی۔ دو مجاہد اُن کے ہاتھ لگے جن کو اُدھر ہی درختوں سے لٹکا کر پھانسی دے دی اور گاؤں کو آگ لگادی۔

یہیں پر ذرا اوپر پہاڑوں سے گھرا ہوا نارنجی کا گاؤں ہے جس کو مجاہدین نے اپنا مرکز بنایا ہوا تھا۔ مولوی عنایت علی خان کے ساتھ پچاس مجاہدین تھے اور ۵۵ مردان رجمنٹ کے صرف ۵۵ مفرور سپاہی۔ نارنجی کے اپنے لوگوں کی تعداد ۴۰۰ تھی اور چالیس سوار پنجتار سے آ کر مل گئے۔ انگریزوں سے یہ چند ہندوستانی مجاہدین برداشت نہیں ہوتے تھے' کیونکہ وہ کٹر مذہبی قسم کے لوگ تھے اور انگریز مذہب سے اور اہل جہاد سے بہت گھبراتا تھا۔

بغاوت پنجاب رپورٹ (Punjab Mutiny Report) میں درج ہے کہ ۲۱ جولائی ۱۸۵۷ء کو انگریز لشکر جو آٹھ سو سواروں پر مشتمل تھا اور اسے توپ خانے کی مدد بھی حاصل تھی' اس کی قیادت میجر ویغن (Maj. Vaughan) کر رہا تھا۔ اس لشکر نے اچانک حملہ کر دیا۔ مجاہدین نے داد شجاعت دیتے ہوئے مقابلہ شروع کیا اور انگریزوں کی توپوں کا جواب توڑے دار بندوقوں اور تلواروں سے دیا۔ غازی بے مثال بہادری سے لڑے اور اتنے بڑے لشکر کو کافی دیر روکے رکھا۔ ۶۰ مجاہدین نے جامِ شہادت نوش کیا' انگریزوں نے نارنجی زیریں کے گاؤں کو مسمار کر دیا۔ مجاہدین نارنجی بالا کے گاؤں منتقل ہو گئے۔ انگریزوں نے اس دن بڑی کوشش کی کہ وہاں تک پہنچ جائیں لیکن اُن کے دانت کھٹے ہو گئے۔ آخر مزید کمک آ جانے پر انگریزوں کے ۱۴۰۰ سواروں اور پیادوں نے توپ خانے کی مدد سے ۳/ اگست ۱۸۵۷ء کو نارنجی بالا کے چھوٹے سے گاؤں پر دو طرف سے بھرپور حملہ کر دیا۔ انگریزوں کے ایک لشکر کی قیادت میجر ویغن اور دوسرے لشکر کی قیادت کیپٹن جیمز نے کی۔ غازیوں نے لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن انگریزوں کے دوسرے لشکر نے پچھلی پہاڑیوں سے بھی نارنجی پر ہلہ بول دیا اور مٹھی بھر مجاہدین ایک بڑے لشکر کے درمیان پس کر رہ گئے۔ تیس مجاہدین نے جامِ شہادت نوش کیا اور کئی زخمی ہوئے جنہیں گرفتار کر کے وہیں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ انگریز انجینئر نے گاؤں کے برجوں کو بارود سے اڑا دیا اور مکانوں کو ہاتھیوں تلے رندوا دیا۔ کیپٹن جیمز کی رپورٹ کے مطابق ۳۰ کے قریب انگریز فوجی ہلاک ہوئے۔ نارنجی کی جنگ کے بعد مجاہدین پہاڑوں کی طرف چلے گئے۔ انگریز فوج کی نارنجی سے واپسی کے بعد چنگلی' نارنجی اور شیخ جانہ کے لوگوں نے مولانا شریعت اللہ کی سرکردگی میں انگریزوں کے شیخ جانہ کے کیمپ پر حملہ کر کے اسے برباد کر دیا۔ رات کی تاریکی میں صرف لیفٹیننٹ ھان

(Lt. Horne) نے نالے میں چھپ کر جان بچائی اور اس طرح نارنجی کے ظلم کا بدلہ چکا دیا گیا۔ اسی طرح نواں کلی صوابی کے گاؤں کے ۲۰۰ مجاہدین نے مرزا محمد آفریدی کی قیادت میں انگریز کیمپ پر حملہ کیا اور کئی انگریز فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مرزا محمد دادِ شجاعت دیتے ہوئے شدید زخمی ہو کر گرفتار ہوا اور انگریزوں نے اسے پھانسی پر لٹکا دیا۔ اس کے بعد مجاہدین نے مولانا عنایت علی کی قیادت میں ستھانہ کو اپنا مرکز بنا لیا۔ یہ وہی ستھانہ ہے جس کو رنجیت سنگھ بھی فتح نہ کر سکا تھا۔ مولوی عنایت علی طویل بیماری اور فاقہ کشی کی وجہ سے ۱۸۵۸ء میں وفات پا گئے۔

مجاہدین اسلام کی قیادت اب پیر بابا کے گھرانے کے سید مبارک شاہ بادشاہ کے ہاتھ میں تھی۔ جنرل سڈنی کاٹن نے اب ستھانہ کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ایک طرف سے دریائے سندھ پار کر کے ہزارہ کی انگریز فوج نے ستھانہ پر چڑھائی کی اور دوسری طرف سے جنرل کاٹن خود فوج اور توپ خانہ کی مدد سے بڑھا۔ دونوں فوجوں نے بیک وقت اچانک اس گاؤں پر ۴ مئی ۱۸۵۹ء کو حملہ کر دیا۔ مجاہدین نے پامردی سے مقابلہ شروع کیا۔ ایک تربیت یافتہ فوج جو جدید ہتھیاروں اور توپ خانہ سے مسلح تھی اس کا مقابلہ مجاہدین تلواروں سے کرتے رہے۔ انہوں نے مُنہ نہ موڑا۔ مجاہدین خاموشی سے میدان میں اترتے اور لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش کرتے۔ سید اکبر شاہ مرحوم کے بھائی عمر شاہ ساداتِ ستھانہ کے ہمراہ آخری سانس تک کفار سے لڑتے لڑتے شہید ہوئے۔ خود مبارک شاہ بادشاہ بھی شدید زخمی ہوئے۔ ستھانہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ انگریزوں نے خود بھی کئی تحریروں میں مجاہدین کی بہادری کی کھل کر تعریف کی ہے۔

مجاہدین اس کے بعد بھی کبھی چین سے نہ بیٹھے اور انہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد جاری رکھا اور انگریز بھی انہیں چین سے بیٹھنے نہ دیتے تھے۔ انہوں نے تمام ہندوستان میں اور فوجی چھاؤنیوں کو جہاد کے لئے خط لکھے اور سخت سے سخت حالات کا مقابلہ مردانہ وار کرتے رہے۔ اپنے بیوی بچوں سے دور، گھر بار سے ہزار ہا میل دور، جان ہتھیلی پر رکھ کر وہ جہاد کا فریضہ ادا کر رہے تھے اور ساتھ ہی کل ہندوستان سے انگریزوں کا قبضہ ختم کرنے کے جتن بھی کرتے رہے۔ وہ جنگلوں، بیابانوں اور پہاڑوں کی عرصۂ دراز تک خاک چھانتے رہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات درختوں کے پتے اور گھاس کھانے کی بھی نوبت آئی مگر انہوں نے جہاد سے مُنہ نہ موڑا اور اسے مزید پھیلانے کی کوشش کی۔ نارنجی اور ستھانہ کی تباہی

کے بعد انگریز مجاہدین کے خلاف انتہائی ظلم اور سفا کی کا مظاہرہ کرتے رہے اور پھر اپنی رپورٹوں میں مجاہدین کے دیہات میں واقع کچے کوٹھوں کو قلعے ظاہر کرتے اور ان کو غنڈوں کے گروہ سے تشبیہہ دیتے۔ جبکہ حقیقتاً ان بے چاروں کے پاس کھانے کو روٹی بھی نہ ہوتی۔ انگریزوں نے اردگرد کے علاقوں میں ان کی اتنی زبردست ناکہ بندی کروائی ہوئی تھی کہ مجاہدین بھوکوں مر رہے ہوتے۔ ان کے پاس چند توڑے دار بندوقوں اور تلواروں کے سوا کچھ بھی نہ تھا مگر رپورٹوں میں ان کو بہت بڑی مسلح چھاؤنی ظاہر کیا جاتا تاکہ انگریز کمان آفیسر اور جرنیل اپنی حکومت سے ترقیاں اور انعامات حاصل کر سکیں۔

نارنجی اور ستھانہ کی تباہی کے بعد مجاہدین ڈگر اور بنیر کے پہاڑوں پر چلے گئے اور آخر میں بنیر میں واقع علاقہ چملہ میں مہابن کی پہاڑی پر واقع ملکا گاؤں میں سادات نے انہیں جگہ دی اور وہ ادھر آباد ہو گئے۔ مولانا ولایت علی کے بیٹے محمد عبداللہ بھی ۱۹ نومبر ۱۹۵۹ء کو مع اہل وعیال ملکا آ گئے اور انہیں مجاہدین کا امیر منتخب کر لیا گیا۔ چالیس سال تک مجاہدین کی قیادت ان کے پاس رہی۔ مجاہدین کے سرپرست اعلیٰ شہزادہ مبارک شاہ تھے۔

جنگ امبیلہ

مجاہدین نے ملکا کو اب اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا تھا۔ امیر المؤمنین مولوی عبداللہ خان اور سید مبارک شاہ باچہ نے صوبہ سرحد کے تمام خان خوانین بشمول والیٔ امب کو خطوط بھیجے کہ وہ انگریز کفار کا ساتھ چھوڑ کر اپنے مسلمان بھائیوں کا ساتھ دیں۔ مجاہدین نے اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہوئے ملکا میں آباد ہوتے ہی احیاءِ دین کا کام شروع کر دیا۔ ہندوستان سے بھی مجاہدین ان کے ساتھ آ کر شامل ہونا شروع ہو گئے۔

ستھانہ سے تباہ حال مجاہدین ابھی ملکا پہنچ کر سنبھلے بھی نہ تھے کہ انگریزوں نے اس نئے مرکز کو بھی تاراج کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ گورنر جنرل ہندوستان نے ملکا پر حملے کی فوراً منظوری دے دی اور جنرل نیول چیمبرلین کی سرکردگی میں ایک بہت بڑی فوج کے ذریعے ملکا کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ جنرل چیمبرلین پہلی افغان جنگ میں بھی حصہ لے چکا تھا اور سرحدی قبیلوں کے خلاف حملوں کا پورا تجربہ رکھتا تھا اور یہاں کے چپے چپے سے واقف تھا۔ حملہ سے قبل اس وقت کے کمشنر پشاور سر رانیل ٹیلر (Reynel Tayler) نے مردان کے طول وعرض کا دورہ کیا اور خان خوانین کو اپنے ساتھ ملا لیا اور بے دریغ دولت تقسیم کی۔ گدون کے قبائل نے انگریزوں کو ملکا کا راستہ دینے سے انکار کر دیا۔ ٹوپی کے خان مغل خان اتمان

زئی نے بھی کمشنر پشاور کو جرگہ میں کہہ دیا کہ آپ اتنی وسیع سلطنت کے مالک ہوتے ہوئے بھی غریب دیہاتیوں کے خلاف کیوں لڑتے پھرتے ہیں!

گزیٹر آف پشاور میں درج ہے کہ:

''وقت آ گیا تھا اور یہ بہت ضروری ہو گیا تھا کہ ملکا پر چڑھائی کی جائے' کیونکہ دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر آباد قبائل میں ہیجان پیدا ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ ہندوستانی مذہبی جنونی تھے جو کہ دوسرے قبائل کو بھی غالباً مشتعل کر رہے تھے۔ اور اس سے پہلے کہ موقع ہاتھ سے نکل جائے' اس مستقل دردِ سر سے نجات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا گیا''۔

۱۹/اکتوبر ۱۸۶۳ء کو انگریز لشکروں نے مردان صوابی' نوی کلی اور رستم میں جمع ہونا شروع کیا اور منصوبے کو انتہائی خفیہ رکھا گیا تھا۔

انگریز فوج سیر و تفریح اور شکار کے بہانے ملکا تک پہنچنے کے تمام راستوں کا سروے کر چکی تھی۔ اتنا بڑا لشکر ہونے کے باوجود انگریز مٹھی بھر مجاہدین سے بڑے گھبرائے ہوئے تھے اور ہر طرح سے ٹھونک بجا کر مکمل منصوبہ بندی سے جنگی حکمت عملی طے کی جا رہی تھی۔ جنرل سڈنی مجاہدین کو دھوکہ دینے کے لئے گدون وغیرہ کی طرف دوسرے راستوں پر جھوٹ موٹ کا سروے کروا رہا تھا' لیکن فیصلہ ہو چکا تھا کہ ملکا پر حملہ امبیلہ کے درے سے ہوگا۔ امبیلہ' چملہ کی حسین وادی میں ایک گاؤں ہے اور نواحی درے کا نام بھی امبیلہ ہے۔ اس درہ کے دونوں اطراف درمیانی اونچائی کے پہاڑے سلسلے ہیں اور درہ کے بیچ میں برساتی ندی بھی ہے۔ اس درہ کی لمبائی ۱۵ میل اور چوڑائی ۴ میل ہے۔ یہ ڈھلوان راستہ ہے جو کہ بڑے بڑے پتھروں سے بھرا پڑا ہے۔ انگریز فوج کو اسی درے سے گزر کر اوپر امبیلہ گاؤں پہنچنا تھا اور وہاں سے پہاڑ کی دوسری طرف ڈھلوان پر واقع ملکا پر حملہ کرنا تھا۔ لیکن چالبازی کے طور پر یہ ظاہر کیا جا رہا تھا کہ درہ دلان کی طرف سے حملہ کیا جا رہا ہے۔

امبیلہ کے درہ کے سامنے جنوب میں پہاڑی سلسلہ شروع ہونے سے پہلے سدوم کا علاقہ ہے جس میں رستم کا قصبہ اور چارگلی کا گاؤں ہے۔ اس وقت اس علاقہ کی جاگیر اور خانی دو بھائیوں عجب خان چارگلی اور اس کے چھوٹے بھائی عزیز خان کے ہاتھ میں تھی۔ وار برٹن جو مردان کا اسسٹنٹ کمشنر تھا' اپنی کتاب ''خیبر میں اٹھارہ سال'' میں رقمطراز ہے کہ:

''عجب خان ایک عجیب و غریب شخصیت کا ۶ فٹ کا لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ اس کا باپ میر بابو خان سدوم کی وادی کا بڑا جاگیردار تھا۔ ۱۸۲۷ء میں جب سید احمد شہید کی تحریک زوروں پر تھی تو میر بابو نے سید احمد شہید کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے

ساتھ ہو گیا۔لیکن جب سکھوں نے اس کو پورے علاقے کا مالیہ اکٹھا کرنے کا لالچ دیا تو اس نے سید احمد اور اس کے پیروکاروں پر حملہ کر دیا اور ان کے کافی ساتھی شہید ہوئے۔ جب سکھوں کی حکومت دوبارہ بن گئی تو انہوں نے میر بابو کو اس علاقے میں مالیہ اکٹھا کرنے کا اختیار دے دیا''۔

اولف کیرو نے لکھا ہے کہ میر بابو خان نے انگریزوں کے آنے پر لمسڈن کو تعاون کی پیشکش کی اور جارج لارنس نے اپنی تحریروں میں اسے انگریزوں کا اچھا دوست قرار دیا۔اس کے فوت ہونے کے بعد اس کے کئی بیٹے تھے۔امبیلہ کی جنگ کے موقع پر میر بابو کے دو بیٹے عجب خان اور عزیز خان سدوم کی طاقتور شخصیتیں تھیں۔دونوں بھائیوں نے نواب خان آف باگڑہ اور زید اللہ خان آف ڈگر کی بیٹیوں سے شادی کر رکھی تھی' جس کی وجہ سے ان کی طاقت اور بھی بڑھ گئی تھی' کیونکہ یہ دونوں گھرانے بنیر کے اصلی نسلی خان تھے۔دونوں بھائیوں نے انگریزوں سے تعاون کی پالیسی جاری رکھی۔ میجر جیمز نے اپنی کتاب ''مہمات'' (Expeditions,p.151) میں لکھا ہے کہ:

''عزیز خان اور عجب خان نے اسماعیلیہ کے میاں محمد شاہ کے ساتھ مل کر ہمارے ساتھ تعاون کیا اور ہر موقع پر دیانت داری سے ہمارے مفاد کے لئے کام کیا۔''

راقم کے ہاتھ اس وقت کے ڈپٹی کمشنر پشاور کی ایک چٹھی نمبر ۲۴۶ مؤرخہ ۶ مئی ۱۸۵۹ء بھی لگی ہے جس میں اس نے کمشنر کو سفارش کی ہے کہ

''چھوٹے بھائی عزیز خان کو حکومت برطانیہ سالانہ ۱۲۸۰ روپے وظیفہ دیتی ہے۔اس کا بڑا بھائی عجب خان چارگلی ہمارے بڑے کام کا ہے اور ۱۸۵۷ء کی جنگ میں سب سے پہلے وہ اپنے مسلح آدمی لے کر ہماری مدد کو مردان پہنچا۔ ہم اس کو ۵۰ آدمیوں کی تنخواہ دیتے تھے لیکن وہ اس پر ہمارے لئے ۲۰۰ آدمی رکھتا تھا۔وہ ہمارے اربابِ اختیار کی مدد جاری رکھے ہوئے ہے اور جنگ نارنجی میں بھی اس نے ہماری طرف سے بھرپور شمولیت کی۔ اس کی ان خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے ۶۰۰ روپے سالانہ وظیفہ تاحیات دیا جائے۔''

اسی طرح امبیلہ کی جنگ میں انہوں نے مکمل تعاون کیا۔انگریزوں نے ان سے ۱۲۰ آدمیوں کی امداد مانگی لیکن انہوں نے ۲۴۰ آدمی حوالے کر دیئے اور ان کے اخراجات بھی خود برداشت کئے۔ جنگ کے دوران ہی انگریزوں نے ان دونوں بھائیوں کی خدمات حاصل کیں اور ان کی رشتہ داریوں کے توسط سے بنیر میں سازشوں کے جال بچھانے شروع کر

دیئے تا کہ سوات' دیر اور بنیر وغیرہ کے قبائل میں رخنہ ڈالا جائے۔ اس مقصد کے لئے خزانوں کے مُنہ بھی کھول دیئے گئے۔ بنیر اور سوات والوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ انگریز صرف ملکا کو تباہ کر کے واپس آ جائیں گے۔ حملہ شروع ہونے کے ساتھ ہی انگریزوں کی طرف سے بنیر اور ڈگر میں اسی طرح کے فرمان تقسیم کئے گئے کہ ہمیں سوات اور بنیر سے کوئی غرض نہیں اور ہم صرف ملکا کو تباہ کر کے واپس آ جائیں گے۔ یہ سب انگریزوں کی چالیں تھیں۔ بھلا ملکا میں صرف ۹۰۰ مجاہدین پر یلغار کے لئے ہزاروں کی فوج کی کیا ضرورت تھی!

گزیٹر آف پشاور کے صفحہ ۲۶۷ پر درج ہے کہ ۱۵۰۰۰ تا ۲۰۰۰۰ لڑاکا سپاہیوں پر مشتمل فوج جمع کی گئی تھی اور بہت بڑا توپ خانہ بھی ساتھ تھا۔ پھر انگریزوں کو یہ بھی مکمل یقین دہانی تھی کہ والیٔ سوات حضرت اخوند صاحب کی وجہ سے بنیر والے بالکل مزاحمت نہ کریں گے اور وہ بڑی آسانی سے ملکا کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے۔ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی فوج لے جانے کا یہ مقصد تھا کہ اس کے بعد وہ مجاہدین کو پناہ دینے کا بہانہ بنا کر بنیر اور پھر سوات پر قابض ہونا چاہتے تھے۔ مختلف انگریز مصنف شکست کے بعد اُس وقت کی سرکاری پالیسی کے طور پر یہ بہانہ پیش کرتے ہیں کہ اگرچہ مہم کو خفیہ رکھا گیا تھا اور عجب خان اور عزیز خان کو بھی اعتماد میں نہیں لیا گیا تھا۔ چونکہ یہ ان کا علاقہ تھا اس لئے اُن کو اس پر بڑا رنج تھا کہ انہیں کوئی اہمیت نہیں دی گئی' اس لئے انہوں نے بنیر والوں کو کہلا بھیجا کہ انگریز آ رہے ہیں اور تمہاری آزادی اور ناموس کا پردہ اٹھ جائے گا۔ یہ سراسر بہانہ سازی اور کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ اوپر درج ہے' عجب خان چارگلی اور عزیز خان نے انگریزوں کی خوب خوب دل کھول کر مدد کی تھی۔ اس کے علاوہ انگریزوں نے حملہ کے دن خود بھی فرامین بھیجے تھے کہ وہ صرف ملکا کو تباہ کرنے آ رہے ہیں۔

دراصل مجاہدین نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔ اتنی بڑی فوج جب مردان سے لے کر دریائے سندھ کے کنارے تک جمع ہو رہی تھی تو مجاہدین نے اپنی فراست سے انگریز کے عزائم کی بو سونگھ لی اور موقع کی مناسبت سے بجلی کی سی سرعت سے ان مٹھی بھر مجاہدین نے اپنی حکمت عملی تیار کر لی۔ وہ بالکل نہ گھبرائے اور انہوں نے بنیر کے طول و عرض میں ہر گاؤں میں مجاہدین کو تبلیغی مہم پر بھیجا کہ وہ سادہ لوح عوام کو انگریزوں کی ریشہ دوانیوں اور چالوں سے آگاہ کریں اور انہیں وطن کی آزادی اور جہاد کے فرض سے آگاہ کریں۔ پروفیسر شفیع صابر تحریر کرتے ہیں کہ جنگ امبیلہ اس اعتبار سے ایک عجب مقابلہ تھا جس میں ایک طرف دنیا

کی سب سے بڑی طاقتور سلطنت تھی اور دوسری طرف درویشان خدامست کی ایک چھوٹی سی جمعیت! ڈاکٹر بنیلو (Dr.Bonlow) نے ''حالاتِ یوسف زئی'' میں تسلیم کیا ہے کہ مجاہدین بیس بیس، پچیس پچیس افراد کی دس جماعتوں پر مشتمل تھے۔

انگریز فوج کی پہلی صف ۲۰ر اکتوبر کی صبح کو امبیلہ کی گھاٹی میں داخل ہوئی اور کسی مزاحمت کے بغیر اوپر کوتل تک پہنچ گئی۔ گولہ بارود کے خچر، سامان اور قافلے کا آخری حصہ ۴۸ گھنٹے میں اُوپر پہنچا۔ اس سے فوج کی نفری اور رسل ورسائل کی بڑی تعداد کا اندازہ ہوتا ہے۔ جنرل چیمبرلین اس ہراول فوج کی قیادت کر رہا تھا اور ہنٹر کے مطابق اس میں ۵۱۵۰ پیادے، ۲۰۰ سوار، ۲۸۰ توپچی اور ۱۳ توپیں شامل تھیں۔ اس دستے نے کوتل کے وسط کو ہیڈ کوارٹر بنایا اور بقول رابرٹس ''دنیا کی مضبوط ترین اور ناقابل شکست پوزیشن پر انگریز فوج نے قبضہ کر لیا۔'' کوتل کے دونوں طرف پہاڑی ٹیلے تھے۔ بعد میں بائیں طرف کا ٹیلہ چٹانی مورچہ (Crag Picket) اور دائیں طرف کا ٹیلہ عقابوں کا نشیمن (Eagles' Nest) مشہور ہوا۔ یہ انتہائی مستحکم پوزیشن تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر عجب خان چارگلی نے مخبری کر دی تھی تو مجاہدین نے انگریز فوج کو چڑھنے کے لئے کیسے چھوڑ دیا؟

جب انگریز فوج اپنا مضبوط مورچہ بنا چکی تو پروگرام کے مطابق اگلے روز کاوگا پر قبضہ کرنا تھا اور تیسرے روز ملکا کو تباہ کرنا تھا۔ دوسرے روز کمشنر ٹیلر اور رابرٹ سنڈیمین ہراول دستے کے ہمراہ فوجی دیکھ بھال (Reconnassance) کے لئے نکلے تو انہیں آگے پہاڑی ٹیلوں کے دونوں اطراف مسلح قبائلی مورچے سنبھالے نظر آئے۔ کرنل پروبین (Col. Probyn) انہیں دیکھتے ہی آپے سے باہر ہو گیا اور ان پر فائر شروع کر دیا۔ وہ قبائلی پہاڑوں کی اوٹ میں چلے گئے۔ لیکن اس بلا اشتعال حملے نے قبائل کو آگ بگولہ کر دیا۔ ان کو ملکا کے مجاہدین کا پیغام یاد آنے لگا اور ان کو یقین آ گیا کہ اس دفعہ انگریز صرف مجاہدین پر حملہ کرنے نہیں آئے بلکہ بنیر اور سوات پر بھی قبضہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ ہر قبیلے نے اپنے سرفروش محاذ پر بھیجنے شروع کر دیئے۔ قبائل میں بے پناہ جوش اور حرارتِ ایمانی پیدا ہو گئی۔ اسی رات قبائل اور سید احمد شہید کے پیروکاروں نے انگریز فوج پر زبردست حملہ کر دیا، جس سے انگریز افسر چکرا کر رہ گئے۔ جنرل چیمبرلین کے ہوش گم ہو گئے اور انگریز فوج حملہ کرنے کے بجائے دفاع کرنے لگی۔ انگریز صبح کو حملہ کرنے کے بجائے دفاعی مورچے کھودنے لگے اور ایگلز نیسٹ اور کریگ پوسٹ کو مضبوط بنا کر ان کا انچارج کرنل واہان اور کرنل وائلڈ کو

بنایا۔ جنرل چیمبرلین نے مزید کمک کے لئے تار بھیجنے شروع کئے۔ ۲۵ اکتوبر کو کمک آ پہنچی اور مزید توپخانہ بھی پہنچ گیا۔

مجاہدین اور قبائل جوق در جوق شوقِ جہاد سے سرشار ڈھول پیٹتے اور جھنڈے لہراتے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے پہنچ رہے تھے۔ ان کے پاس لے دے کے چند توڑے دار بندوقیں، تلواریں اور برچھیاں تھیں۔ چند نوجوان قبائلی توغلیل اور چاقو ساتھ لے کر آئے۔ نہ ہی ان کے پاس انگریزی ساخت کی بندوقیں تھیں اور نہ ہی توپخانہ، اور نہ ہی پہننے کو ڈھنگ کے کپڑے۔ اکثر پاؤں سے ننگے تھے۔ نہ ہی ان کے پاس رسل ورسائل کے ذرائع تھے، نہ ہی ڈاک وتار کا انتظام تھا اور نہ ہی خوراک یا گولہ بارود کی سپلائی تھی۔ وہ اپنے ساتھ جوار کی روٹیاں لے کر آئے اور اکثر کے پاس تو وہ بھی نہ تھیں۔ لیکن ان کے پاس جذبہ ایمانی تھا اور مخلص قیادت تھی۔

۲۶/اکتوبر ۱۸۶۳ء کو بنیر کا ایک جرگہ جس میں خوانین، علماء اور ان کے علاوہ خواتین بھی شامل تھیں، اخوند سوات کے پاس حاضر ہوا اور نہایت مؤدبانہ درخواست کی کہ انگریز فوج درہ سرکاوی تک پہنچ چکی ہے۔ آر جی ٹیلر کے مطابق سوات کے رؤسا بھی یہ چاہتے تھے کہ اخوند صاحب محاذ جنگ پر خود تشریف لے جائیں۔ اس کے علاوہ اخوند صاحب کو یہ خوف بھی تھا کہ اگر وہ میدان جنگ میں نہ پہنچے تو شہزادہ مبارک شاہ کہیں دوبارہ سوات کا بادشاہ نہ بن جائے۔ دوسرا یہ کہ زبردست عوامی دباؤ بھی تھا۔ اگر اخوند صاحب محاذ پر نہ جاتے تو عوام انہیں آسمان سے زمین پر دے مارتے۔ گزیٹر آف پشاور میں صفحہ ۲۶۷ پر بھی یہی لکھا ہے کہ اخوند صاحب محاذ پر نہیں آنا چاہتے تھے لیکن عوامی رائے اور دباؤ یہی تھا اس لئے انہیں بادلِ نخواستہ محاذ پر آنا پڑا۔ اسی کے صفحہ ۲۷۳ پر درج ہے کہ ''اخوند صاحب سوات نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ہمارا بڑا خیال رکھا۔ یہاں تک کہ ۵۵ رجمنٹ کے جو سپاہی مردان سے بھاگ کر سوات پہنچے تو اخوند صاحب نے ان کو نکال دیا۔ اور اگر وہ اس وقت معاملات کو نہ سنبھالتے تو انگریزوں کے لئے حالات تباہ کن ہوتے۔ وہ تو عوامی جذبے کی وجہ سے مجبوراً امبیلہ آ گئے تھے اور پھر جوں ہی حالات نے اجازت دی وہ وہاں سے چلے گئے اور ہمارے ساتھ پرانی دوستانہ پالیسی مرتے دم تک جاری رکھی۔'' تقریباً انہی خیالات کا اظہار اولف کیرو اور سید میر بادشاہ بخاری نے بھی کیا ہے۔

جیمز ڈبلیو سپین (James W. Spain) جو ۱۹۵۳ء سے پاکستان میں مختلف سفارتی

عہدوں پر رہا' اپنی کتاب ''Pathans of the Later Day, p.99'' میں لکھتا ہے:

''۱۸۶۳ء میں جنرل چیمبرلین اپنی فوج کے ہمراہ ملکا کے سیدوں اور اس کے پٹھان حلیفوں کو سبق سکھانے کے لئے بڑھا۔ وہ اخوند صاحب کے اس وعدے پر بھروسا کئے ہوئے تھا کہ وہ پٹھانوں کو روکے رکھے گا۔ ملکا کے سید مبارک شاہ نے جوابی دفاعی قیادت سنبھالی۔ سوات کے یوسف زئیوں نے اخوند صاحب کے سمجھانے بجھانے کی بھی کوئی پرواہ نہ کی اور ستھانہ سے مزید سید مجاہدین محاذ پر پہنچ گئے اور اسی طرح نزدیک اور دُور دراز کے پٹھان امبیلہ کے میدانِ کارزار میں دوڑتے ہوئے پہنچنے لگے۔ میں ایسے آفریدیوں اور مہمندوں سے بھی ملا ہوں جن کے دادا اس جنگ میں شریک تھے۔''

پروفیسر محمد شفیع صابر ''تاریخ صوبہ سرحد'' میں لکھتے ہیں:

''تاہم انگریز کیمپ میں صف ماتم اس دن بچھی جب انگریزوں کو معلوم ہوا کہ مولوی عبداللہ' سید مبارک شاہ اور عیسیٰ خان جدون کے علاوہ حضرت اخوند صاحب سوات (عبدالغفور بابا) بھی مجاہدین کی قیادت کے لئے میدانِ کارزار میں پہنچ چکے ہیں۔ گو حضرت صاحب سوات مجاہدین سے معمولی اختلافات رکھتے تھے اور اگرچہ سادات ستھانہ سے بھی وہ پوری طرح متفق نہ تھے تاہم جب اسلامی غیرت اور حالات کی نزاکت نے پکارا تو اپنی ضعیف العمری میں بھی بابائے سوات ؒ شمشیر بکف آمادۂ جہاد ہو گئے۔ اور ان کے آتے ہی دریائے سندھ اور دریائے کابل کے مابین پھیلا ہوا سارا قبائلی علاقہ جوشِ جہاد سے سرشار ہو گیا۔ ہر جگہ کے مجاہد سروں پر کفن باندھے آتے اور گوروا اور امبیلہ کے پہاڑوں پر جھنڈے گاڑ دیتے۔''

انگریزوں کا خیال تھا کہ قبائلی جنگیں اکثر چھاپہ مار کارروائی ہوتی ہیں اور زیادہ طویل نہیں ہوتیں' قبائلی صرف چند روز کا خشک راشن جو کہ عموماً جوار یا باجرے کی روٹی ہوتی ہے' لے کر نکلتے ہیں اور جلد ہی جوش ٹھنڈا ہونے پر میدان چھوڑ کر گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ لیکن یہاں پر یہ فارمولا غلط ہو گیا اور جنگ تقریباً تین ماہ جاری رہی۔

مولوی عبداللہ اور شہزادہ مبارک شاہ نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک لشکر کی قیادت پیر سید شاہ محمود بن سید عمر ستھانوی شہید' دوسرے کی قیادت سید اعظم اور تیسرے کی سید یوسف آف ناواگئی نے کی۔ تینوں لشکروں نے درے کے تینوں جانب مورچے بنا لئے

اور اس کے بعد انگریز فوج پر ٹوٹ پڑے۔ جنرل چیمبرلین کے ہوش اڑ گئے اور اس نے اپنی حکومت کو مزید فوج کے لئے لکھا۔ ساتھ ہی انہوں نے ڈپلومیسی (چالبازیاں' مکاریاں' جوڑ توڑ اور پیسے کا استعمال) بھی شروع کر دی۔ عجب خان چارگلی' اس کے بھائی عزیز خان' ان کے بنیر کے رشتہ داروں بشمول زید اللہ خان اور احمد خان وغیرہ کو بیچ میں ڈال کر سازشوں کے تانے بانے بھی بننے لگے۔ لیکن شروع میں شاطرانہ چالیں کامیاب نہ ہوئیں۔

شروع میں تو ہر روز معرکے ہونے لگے۔ ایک رات سوات' بنیر اور مجاہدین کے دستور نے انگریز فوج پر سہ طرفہ شبخون مارا اور انگریز فوجیوں کے سروں پر جا پہنچے اور ان کی صفوں کی صفیں الٹ دیں اور درجنوں دشمنوں کو ہلاک کیا۔ خود کئی مجاہد بھی دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ مجاہدین مسلسل دشمنوں پر گولیاں برساتے اور جب ان کی گولیاں ختم ہوتیں تو ان کے ساتھی ان کی جگہ لے کر دشمن پر فائرنگ شروع کر دیتے۔ انگریز فوج نے بندوقوں کے علاوہ توپخانے سے بھی آگ و آہن کی بارش مسلسل جاری رکھی۔ محاذ کا چپہ چپہ توپوں کے گولوں سے چھلنی ہونے لگا۔ لیکن مجاہدین پُرسکون تھے اور جواں مردی سے دشمن کے دانت کھٹے کر رہے تھے۔

پروفیسر محمد شفیع صابر امبیلہ کی جنگ میں تین بھائیوں کا قصہ اس طرح تحریر کرتے ہیں:

> ''تین حقیقی بونیری بھائی تھے۔ انگریز کیمپ سے بونیری مورچوں پر آتش باری شروع تھی۔ توپوں نے ان پر زمین تنگ کر دی۔ ان تین بھائیوں کے پاس صرف تلواریں تھیں۔ انہوں نے متفقہ طور پر صرف انہی تلواروں سے دشمن پر حملہ کر دیا۔ بہت سے انگریزوں کو جہنم واصل کیا اور خود بھی لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کے باپ کو جب تینوں بیٹوں کی شہادت کی خبر ملی تو وہ بھی تلوار اٹھا کر انگریز مورچوں پر حملہ آور ہو گیا اور جامِ شہادت نوش کر گیا۔ پھر ان کے دولت زئی اور نورزئی قبیلے کا ایک ایک غازی جاتا اور پروانہ وار شمع اسلام پر قربان ہو جاتا۔''

۳۰/اکتوبر کو مجاہدین نے کریگ پوسٹ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے جواب میں میجر Kuye نے فرسٹ پنجاب انفنٹری اور گائیڈز کے ایک دستے کی مدد سے دوبارہ قبضہ کرنا چاہا تو سرحدی غازیوں نے انگریز فوج کے ساتھ دست بدست جنگ لڑی۔ ساٹھ غازی شہید ہوئے جبکہ انگریز فوج کے بھی پچاس آدمی مارے گئے اور پوسٹ انگریزوں کے پاس چلی گئی۔ ۱۲/نومبر کو غازیوں نے پھر کریگ پوسٹ پر حملہ کر دیا' انگریز فوج کے پوسٹ پر تعینات ۱۲۰ سپاہی دُم دبا کر بھاگے اور انگریز افسروں پر مایوسی چھا گئی۔ انگریزوں نے پوسٹ کو وقار کا

مسئلہ بنالیا اور میجر راس (Ross) کو پیادہ فوج اور سواروں کی مدد سے دوبارہ حملہ کے لئے بھیجا لیکن ان کو خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ اس پر جنرل چیمبرلین نے ایک گورار جمنٹ بھی مدد کے لئے بھیج دی۔ مجاہدین کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ لیکن یہ کوئی خاص کامیابی اس لئے نہ تھی کہ اگر ۲۳۰ غازی شہید ہوئے تو انگریزوں کے بھی ۱۴۶ افسر اور سپاہی مارے گئے۔

۲۹ نومبر کو اس پوسٹ پر غازیوں نے پھر بھرپور حملہ کیا اور انگریزوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ جنرل چیمبرلین ایک پلٹن لے کر خود آگے بڑھا۔ چیمبرلین کو بھی گولی لگی اور وہ سخت زخمی ہو گیا۔ پوسٹ اب انگریزوں کے پاس تو آ گئی لیکن جب انہوں نے اپنی لاشیں گنیں تو وہ ۱۵۳ تھیں۔ جنرل چیمبرلین کو زخمی حالت میں محاذ سے اٹھا کر ہسپتال بھیج دیا گیا اور اس کی جگہ میجر جنرل کاروک (Maj. Gen. Carvock) نے لشکر کی قیادت سنبھال لی۔ ایگزنیسٹ پر قبضہ کرنے کے لئے ایک بہت ہی خوفناک چھڑپ کے بعد اپنے اپنے مُردے اٹھانے کے لئے عارضی جنگ بندی ہوئی تو لاشیں اٹھانے کے دوران جنرل چیمبرلین اور کمشنر ٹیلر مجاہدین کے ساتھ بات چیت کی کوشش کرتے رہے۔ قبائلی مجاہدین نے ان دونوں افسروں کو کھل کر اور کھری کھری سنائیں اور کہا کہ وہ آخری دم تک لڑیں گے۔ انگریزوں نے جنگ میں پٹھان سپاہیوں کو مقابلہ کے لئے آگے بھیجنا شروع کیا تو قبائلی چیخ چیخ کر انگریز افسروں کو کہتے کہ ہیٹ والوں (انگریزوں) اور سرخ پگڑی والوں (سکھوں) کو آگے بھیجو' ان کو مارنے میں زیادہ مزہ آتا ہے۔

جنرل کاروک بھی حالات کا مشاہدہ کر کے سخت مایوس ہوا اور وائسرائے ہند لارڈ ایلگن (Lord Elgin) کو رپورٹ بھیجی اور حکم طلب کیا۔ اس نے اس پر ہمیشہ کی طرح تعجب کا اظہار کیا کہ جو مہم تین دن کی تھی وہ تین ماہ کی جنگ میں تبدیل ہو گئی ہے' اور فوجیں واپس بلانے کا حکم دیا۔ تاہم کمانڈر انچیف نے ایسا نہ کرنے کی رائے دی۔ اسے معلوم تھا کہ اگر امبیلہ سے فوج پیچھے ہٹائی گئی تو پٹھان پھر رکنے والے نہیں اور پھر صوبہ سرحد اور اس کے بعد شاید ہندوستان میں کوئی بھی انگریز زندہ نہ بچے گا۔ انگریز پہلی افغان جنگ کا انجام ابھی نہیں بھولے تھے۔ کمانڈر انچیف نے حکم دیا کہ شمالی ہند کی تمام فوج امبیلہ کی جنگ کو بھیجی جائے۔ چنانچہ نومبر ۱۸۶۳ء میں لاہور سے پشاور اور بنوں تک کی تمام چھاؤنیاں خالی ہو گئیں۔ پنجاب اور سرحد کے کونے کونے سے فوج مردان روانہ ہو گئی۔ نوبت یہاں تک آ گئی کہ لاہور چھاؤنی کے کمانڈر کو گورنر پنجاب کے گارڈ کے لئے چوبیس سپاہی مہیا کرنا مشکل ہو گیا۔ یہاں تک کہ

وائسرائے ہند کی حفاظتی فوج کے کچھ دستوں کو بھی امبیلہ روانہ کر دیا گیا۔ لاہور سے پشاور اور مردان تک کی ساری شاہراہوں پر انگریز فوجی قافلوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ انگریز مصنفوں کے بقول پچیس ہزار برطانوی سپاہی محاذ جنگ میں چند ہندوستانی اور چند غیر منظم بے سروسامان قبائلیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے پہنچ گئے۔ انگریز مجاہدین و قبائل کی تعداد بیس ہزار بتاتے ہیں جو مبالغہ آمیز ہے۔ نیز یہ سب قبائل مسلح بھی نہ تھے۔ تمام پنجاب اور سرحد سے سارے گھوڑے، خچر، اونٹ، گدھے اور بیل خرید کر امبیلہ کو گولہ بارود، توپوں اور خوراک کی سپلائی جاری رکھنے کے لئے بھیج دیئے گئے۔ خود انگریز مصنفوں کے بقول ان باربرداری کے جانوروں کی تعداد بارہ ہزار تک تھی۔ دوسری طرف جانباز مجاہدین شانِ قلندری سے، انجام سے بے نیاز، پوری بے جگری سے دنیا کی سب سے بڑی حکومت سے ٹکر لئے ہوئے تھے۔

۲۰ نومبر کو وائسرائے ہند لارڈ ایلگن انتقال کر گیا۔ ۲ دسمبر کو نیا وائسرائے کلکتہ پہنچا تو اس کے سامنے سب سے اہم معاملہ امبیلہ ہی تھا۔ نئے وائسرائے کی کونسل نے بھی فیصلہ کر دیا کہ نقصانات کو مدنظر رکھتے ہوئے انگریز فوج واپس بلا لی جائے، کیونکہ باقی قبائل میں بھی بے چینی بڑھ رہی ہے اور خطرہ ہے کہ پورا صوبہ سرحد اٹھنے والا ہے اور پھر تمام انگریز فوج کی تکہ بوٹی ہونا متوقع تھی۔ لیکن چونکہ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے سردی کی شدت بڑھ رہی تھی جس کی وجہ سے قبائلی گھروں کو واپس ہونا شروع ہو گئے تھے اور انگریز کو امید پیدا ہونے لگی تھی، اس لئے انگریز فوجوں کو واپس بلانے کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا اور ساتھ ہی گولہ باری میں شدت پیدا کر دی گئی۔ نیز انگریز فوج کے پٹھان سپاہیوں کو آگے لڑنے کے لئے بھیج دیا گیا۔ اس کے باوجود مجاہدین و قبائل ایک ایک چٹان اور ایک ایک قدم پر مزاحمت کر رہے تھے۔ مجاہدین اب تھوڑے رہ گئے تھے۔ مزید یہ کہ اب انگریزوں نے غداروں کی خرید بھی شروع کر دی تھی اور بقول ہنٹر ''جو کام ہماری فوج سے نہ ہو سکا ہماری ڈپلومیسی نے کر دکھایا''۔

۱۰ نومبر کو ہی کیپٹن منرو کا عجب خان چارگلی اور عزیز خان کے توسط سے بنیر کے خوانین سے صلح کے لئے رابطہ ہو چکا تھا۔ لیکن ہندوستانی، سوات، باجوڑ اور بنیر کے قبائل لڑائی جاری رکھنے پر آمادہ تھے۔ میجر جیمز اور ڈپٹی کمشنر پشاور ٹیلر بھی قبائل کو مجاہدین سے علیحدہ کرنے اور تفرقہ ڈالنے میں مصروف تھے۔ وہ بنیر کے احمد خان کو خرید کر اشیزئی اور سالارزئی قبائل کو مجاہدین سے علیحدہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ سوات کے رانی زئیوں کو بھی سازش کے تحت گھر روانہ کر دیا گیا۔ مولوی عبداللہ نے حالات کو سنبھالنا چاہا لیکن ناکام رہے۔ ۲۵ نومبر کو

بنیر کے خوانین کا جرگہ احمد خان کی سربراہی میں میجر جیمز سے ملا اور صلح کے لئے راضی ہو گیا۔ لیکن بنیر کے زید اللہ خان کو مولوی عبداللہ نے بتا دیا تھا کہ احمد خان نے صلح کے لئے کمشنر سے بھاری رقم لی ہے۔ یہ جان کر زید اللہ نے صلح کی شرائط ماننے سے انکار کر دیا اور قبیلہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ جب بنیر کے زید اللہ خان کو بھی اپنا حصہ مل گیا تو وہ بھی صلح کے لئے راضی ہو گیا۔ انگریز کمانڈر نے خوش ہو کر زید اللہ کو اپنا پستول بھی انعام میں دیا۔ انگریزوں کا بونیری مَلکوں سے درج ذیل معاہدہ طے ہوا:

''انگریز فوج امبیلہ سے واپس چلی جائے گی' بونیر والے انگریزوں کے ایک دستے کی موجودگی میں ملکا میں ہندوستانیوں اور سادات کی بستی کو خود جلائیں گے اور مجاہدین کو بونیر سے نکال دیں گے۔''

۲۳ دسمبر کو سات افسر جن میں ٹیلر اور کمشنر رابرٹس شامل تھے' گائیڈز کے ایک مختصر دستے کے ہمراہ معاہدہ کے مطابق ملکا گاؤں روانہ ہوئے۔ سوات اور بنیر کے تقریباً ایک سو خوانین و سفید ریش ان کا تحفظ کر رہے تھے۔ راستے میں مسلح قبائلی مخالفانہ نعرے لگا رہے تھے اور انہوں نے ٹیلر کو بھی گھیر لیا تھا۔ زید اللہ جو ایک ہاتھ اور ایک آنکھ سے محروم تھا' اس نے قبائلیوں کے سامنے تقریر کی اور کہا کہ ہم نے ملکا کو جلانے کا وعدہ کیا ہے اور یہ پختونوں کا وعدہ ہے' اور حضرت اخوند کا بھی یہی خیال ہے۔ بقول اولف کیرو اخوند بھی یہی چاہتے تھے' کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو انگریز فوج بنیر اور سوات میں داخل ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ ملکا کی تباہی سے سادات کی عزت بھی ان کے مقابلے میں کم ہو جائے گی۔ اس طرح زید اللہ خان اور خوانین کی قیادت میں انگریز دستہ ملکا پہنچا اور انگریز رپورٹوں کے مطابق ملکا کو جلا دیا گیا۔

لیکن دوسری طرف اہل بنیر یہ بتاتے ہیں' اور مختلف کتابوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے' کہ انگریز دستہ اور خوانین بنیر راستے میں ہی مسلح قبائل کا غصہ دیکھ کر ڈر گئے تھے اور ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ لہٰذا انہوں نے اسی پر اکتفا کیا کہ ملکا سے پہلے ہی چند خالی کوٹھے جلا دیئے جائیں اور پھر ایسا ہی ہوا۔ ان خیالات کی تائید سید اکبر شاہ بخاری نے بھی اپنی کتاب میں کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ ۱۸۶۳ء میں ملکا گئے تھے اور وہاں مقامی قبائل نے انہیں ثبوت کے ساتھ قائل کر لیا کہ ملکا کو نہیں جلایا گیا' بلکہ انگریز دستے کی واپسی کے بعد بنیر کا جرگہ ملکا آیا اور شہزادہ مبارک شاہ کے حجرے میں بیٹھا رہا۔ جیمز ڈبلیو سپین (James W. Spain) نے بھی یہی قصہ تحریر کیا ہے۔ اور سچ بھی یہی ہے کہ انگریز خود لکھتے ہیں کہ راستے میں ہزاروں

مسلح قبائل غضب ناک تھے' لہٰذا پھر اس راستے پر دس پندرہ میل انگریزوں کو لے جانا ناممکنات میں سے تھا۔ بعد میں قبائل نے زید اللہ خان کو بھی اسی پستول سے مار دیا جو اُس نے کمشنر سے انعام میں حاصل کیا اور اسے غداری کی سزا دی۔ ۲۵ دسمبر کو انگریز فوج اپنا بوریا بستر سمیٹ کر امبیلہ سے واپس ہوگئی اور اس کے بعد اس کو کبھی بنیر یا سوات کی طرف آنکھ اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی اور یہ علاقے غیر ملکی غلامی سے ہمیشہ آزاد رہے۔

امبیلہ کی لڑائی میں انگریز فوجیوں اور افسروں کی تعداد' جو ہلاک ہوئے' ایک ہزار تھی جن میں سے ۳۷ بڑے افسر تھے۔ برعظیم میں انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد یا اس سے قبل شاید ہی کبھی اتنا مشکل وقت دیکھا ہو۔ اس جنگ نے ان کی حکومت کی بنیادیں ہلا دیں۔ مٹھی بھر مجاہدین جن کی تعداد ۹۰۰ تھی' ان کو مٹانے کی ضد میں انگریز خود برباد ہوگیا' سرکاری خزانے کو کروڑوں کا نقصان اٹھانا پڑا اور ہزاروں آدمی مروانے کے بعد بھی اسے کچھ حاصل نہ ہوا۔ انگریز رپورٹوں کے مطابق مسلمان شہداء کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی' جو کہ مبالغہ آرائی کے سوا کچھ نہیں۔ انگریزوں نے امبیلہ میں زبردست شکست کھائی' کیونکہ لاکھوں روپے لگا کر چند کوٹھے جلانے کو فتح نہیں کہتے۔ یہ ان کی شکست تھی' کیونکہ انگریز فوج کو درہ میں ہی روک لیا گیا تھا اور اس کے کمانڈر کو بھی زخمی ہو کر میدانِ جنگ چھوڑنا پڑا تھا۔ وہ تو جھوٹ بول کر لندن میں بیٹھی سرکار برطانیہ کے سامنے اپنی خفت مٹا رہے تھے اور ترقیاں اور انعامات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ دنیا کے ہر اصول اور قانون میں یہ انگریزوں کی زبردست شکست تھی۔

اس جنگ کے بعد مجاہدین و قبائل سرحد کا حوصلہ بڑھ گیا' جبکہ انگریز سامراج کا دم خم اور ان کی اکڑ ختم ہوگئی کہ وہ ناقابل شکست ہیں۔ قبائل یہ جان گئے کہ وہ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت سے بھی پنجہ آزمائی کر سکتے ہیں۔ یہ وہ چراغ تھے جن کی روشنی میں ہم نے ۱۹۴۷ء میں آزادی حاصل کی تھی۔

جنگ امبیلہ اور عجب خان چارگلی

انگریز مصنفین نے جہاں بھی جنگ امبیلہ کا ذکر کیا ہے وہاں عجب خان چارگلی کا ذکر ضرور کیا ہے۔ عجب خان چارگلی کا باپ میر بابو خان مردان وصوابی کے درمیان علاقہ سدوم کا بہت بڑا جاگیردار تھا۔ عجب خان چارگلی کا ایک بھائی عزیز خان بھی تھا۔ دونوں بھائی علاقہ رستم وصدوم کے بڑے بااثر خان تھے۔ وادیٔ سدوم کے سامنے ہی امبیلہ اور پھر بنیر کا علاقہ

ہے۔ دونوں بھائیوں نے نواب خان آف باگڑہ اور زیداللہ خان آف بنیر کے گھرانوں میں شادیاں کی ہوئی تھیں اور یہ دونوں گھرانے بنیر کے خوانین کے گھرانے تھے۔ عجب خان چارگلی اور اس کا بھائی بنیر کے علاقوں کے لئے انگریزوں کے پولیٹیکل ایجنٹ کا کام کرتے تھے۔ عجب خان نے ۱۸۵۷ء کی جنگ میں انگریز مفادات کا خوب تحفظ کیا' اگرچہ اس وقت انگریزوں کی سرکاری پلٹن نے مردان میں بغاوت کی ہوئی تھی اور اس کے کافی سپاہی بچ کر سوات اور بنیر پہنچ گئے تھے۔ ان حالات میں بھی عجب خان نے انگریز سرکار کو نئی فوج بنانے کے لئے ۲۰۰ آدمی مہیا کئے۔ وہ مردان اور پشاور کے انگریزوں کی خوب مہمان نوازی بھی کیا کرتا تھا اور سب اس کی خدمات کے معترف تھے۔ جنگ نارنجی میں بھی وہ انگریزوں کی طرف سے سادات کے خلاف بھرپور طریقے سے شریک ہوا۔ ۱۸۶۳ء کی جنگ امبیلہ میں بھی عجب خان اور عزیز خان نے انگریزوں کے لئے نہایت اہم خدمات انجام دیں۔ عزیز خان اور عجب خان سے امبیلہ کی جنگ کے لئے ایک سو بیس آدمی مانگے گئے لیکن انہوں نے دُگنے مہیا کئے اور ان کے اخراجات بھی خود برداشت کئے' نیز پالتو جانور بھی مہیا کئے۔ دونوں نے انگریزوں کے واسطے بنیر کے خوانین سے جوڑ توڑ کرنے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ میجر جیمز نے بھی اپنی تحریروں میں ان دونوں بھائیوں کی خدمات کا کھل کر اعتراف کیا ہے۔ ٹیلر نے بنیر کے خوانین زیداللہ خان اور احمد خان کو توڑنے کے لئے دونوں بھائیوں کی خدمات حاصل کیں' کیونکہ وہ ان کے رشتہ دار بھی تھے۔ بنیر کے جرگہ کی موجودگی میں انگریز پارٹی کو لے کر ملکا کو جلانے کے لئے بھی ساتھ گئے۔ جنگ کی تمام کہانی کو دیکھا جائے تو بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ اگر عجب خان اور اس کا بھائی انگریزوں کی طرف سے بنیر کے خوانین کو توڑنے کی خدمات نہ انجام دیتے تو انگریز اور بھی ذلیل و رسوا ہوتے اور ان کی شکست اور بھی عبرتناک ہوتی۔

عزیز خان تو جنگ امبیلہ کے کچھ عرصہ بعد فوت ہو گیا۔ جنگ امبیلہ میں حقیقتاً تو انگریزوں کو مُنہ کی کھانی پڑی تھی۔ ڈپلومیسی کے بل بوتے پر اور خزانوں کے مُنہ کھول کر انہوں نے ملکا میں چند کوٹھے تو جلا لئے لیکن حقیقت تو ان کو بھی معلوم تھی' اس لئے انہوں نے اپنی تمام تحریروں اور کتابوں میں اس خفت کو مٹانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ گزیٹر آف پشاور سے لے کر اولف کیرو اور وار برٹن تک نے عجب خان چارگلی کو مہم کی ناکامی کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے اور لکھتے ہیں کہ جب عجب خان اور اس کے بھائی سے امبیلہ کے حملے کے بارے میں مشورہ نہ کیا

گیا تو انہوں نے ملکا کے مجاہدین کو پہلے ہی سے پیغام دے دیا تھا کہ انگریز تمہارا پردہ اٹھانے آ رہے ہیں' جس کے نتیجے میں بنیر والوں نے پہلے ہی مورچے سنبھال لئے تھے۔ اس لئے انگریزوں کی پیش قدمی روک دی گئی۔ لیکن دوسرے سانس میں یہی مصنف اس بات کی خود ہی نفی کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ درہ کا راستہ پہاڑی ڈھلوان اور عمودی تھا اس لئے فوجی لشکر کو اوپر تک پہنچنے میں اڑتالیس گھنٹے لگے اور جب مکمل لشکر مع توپ خانہ اوپر پہنچ گیا اور کسی مزاحمت کا سامنا نہ ہوا اور اگلے دن جب دیکھ بھال کرنے والی پارٹی آگے جانے لگی تو اس نے دیکھا کہ چند ایک قبائل مورچے سنبھالے بیٹھے تھے۔ یہ سب سرکاری قسم کی اور انگریز نقطۂ نظر کی حامل تحریریں ہیں اور سب ایک سانس میں یہی دونوں متضاد بیانات دیتے ہیں۔

عجب خان کا مذکورہ قصہ پڑھ کر یہ بات بالکل کسی بھی دل کو نہیں لگے گی کہ عجب خان جو کہ میدان جنگ میں اور اس کے علاوہ اپنے آقاؤں کی اتنی خدمات انجام دے چکا ہے اور جنگ کا پانسہ بھی اسی کی حکمت عملیوں سے پلٹتا ہے' انگریزوں کے مفادات کے خلاف کام کیسے کرے گا! اصل قصہ یہ ہے کہ عجب خان امبیلہ کی جنگ میں اپنی اعلیٰ خدمات کی وجہ سے انتہائی اہم مقام و مرتبہ حاصل کر چکا تھا۔ اور تحریروں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس کے حاسد پیدا ہونا بھی پختون معاشرہ میں قدرتی امر تھا' لیکن وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ اب انگریزوں کو جنگ میں پیش قدمی روکنے کا بہانہ تلاش کرنا تھا اور فوجی اصولوں کے مطابق ذمہ داری کسی کے سر تھوپنا تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ جنرل چیمبرلین یا ٹیلر وغیرہ کو تو اس کا ذمہ دار ٹھہرانے سے رہے' انگریزوں نے عجب خان چارگلی کو اس جنگ میں ناکامی کا ذمہ دار ٹھہرانا شروع کیا' اگرچہ وہ ۱۸۷۷ء تک کوئی ثبوت مہیا نہ کر سکے اور خود بھی اس کے معترف ہیں۔ اس کے علاوہ انگریزوں نے جنگ امبیلہ میں عجب خان کے ذریعے کئی لوگوں کو خریدا اور اس کے پاس کافی راز تھے اور اب وہ اس ثبوت سے پیچھا چھڑانا چاہتے تھے۔ چونکہ عجب خان نے ۱۸۵۷ء سے لے کر جنگ نارنجی اور امبیلہ تک انگریزوں کی کافی خدمات انجام دی تھیں اور اس کے سرکارِ برطانیہ پر کافی احسانات تھے جن پر وہ ذرا اتراتا تھا' جو کہ اس کا حق بھی تھا' لیکن حکمران اس اترانے کو خودسری سمجھ بیٹھے اور اس کو سبق سکھانے کے درپے ہو گئے۔ انگریزوں کو امبیلہ کی جنگ میں عجب خان چارگلی ہی کے علاقے میں زبردست مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تھا اور یہ بات اس علاقے میں بچے بچے کو معلوم تھی۔ انگریز اس علاقے کے لوگوں کے سامنے اپنی خفت بھی مٹانا چاہتے تھے' اور ظاہر ہے کہ کسی معمولی آدمی کو سزا دے کر

ان کی خفت نہیں مٹ سکتی تھی' اس لئے وہ اس علاقے کے کسی بڑے آدمی کو سزا دے کر اپنی دھاک بٹھانا چاہتے تھے اور اپنی دہشت پھیلانا چاہتے تھے۔ ان کے اس کردار کے لئے عجب خان چارگلی ہی فٹ ہو رہا تھا۔

سر رابرٹ وار برٹن ۱۸۷۲ء سے لے کر ۱۸۷۹ء تک مردان کا اسسٹنٹ کمشنر رہا۔ اس نے اپنی کتاب ''خیبر میں اٹھارہ سال'' کا باب نمبر ۵ عجب خان چارگلی پر ہی تحریر کیا ہے۔ نہ جانے کیوں وار برٹن عجب خان چارگلی سے خدا واسطے کا بغض رکھتا تھا اور اس بغض کا پس منظر اور وجوہات وہی ہو سکتی ہیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں۔ وار برٹن لکھتا ہے کہ عجب خان عجیب و غریب شخصیت کا مالک تھا اور وہ تمام افسران کے پہلو میں کانٹے کی طرح چبھتا تھا۔ وہ چھ فٹ قد کا' دبلا' خوبصورت نقوش والا آدمی تھا اور اس کی کالی بڑی داڑھی تھی۔ وہ گردن میں چاندی کا دانتوں کا خلال لٹکائے رہتا تھا۔ میں نے یہ بھی سن رکھا تھا کہ حکومتی عہدہ دار بھی اس سے خوش نہ تھے۔ وار برٹن کے بقول جب ۱۸۶۳ء میں امبیلہ کی مہم کے متعلق عجب خان سے مشورہ نہ کیا گیا تو اس نے اسے اپنی توہین سمجھا اور اس نے اپنے ایک ہمراز کے ذریعے بنیر میں اپنے ایک دوست ناصر خان کو پیغام بھجوایا کہ انگریز فوج آ رہی ہے اور اگر بنیر والوں نے کچھ نہ کیا تو بنیر کا پردہ چاک ہو جائے گا۔ اور اسی پیغام کی وجہ سے بنیر کے قبائل اٹھ کھڑے ہوئے۔

جیسا کہ پہلے ثابت کیا گیا ہے' یہ الزام جھوٹ کا پلندہ ہے' کیونکہ عجب خان کو شروع ہی سے ٹیلر نے اعتماد میں لیا ہوا تھا اور عجب خان اور اس کے بھائی عزیز خان کو انہوں نے خوب استعمال کیا اور ان کے ذریعے بنیر کے قبائل میں تفرقہ ڈالا اور ان کو خریدا۔ دوسرے یہ کہ اگر عجب خان یا اس کے بھائی نے واقعی تاج برطانیہ سے غداری کی تھی تو جنگ امبیلہ کے فوراً بعد ۱۸۶۳ء میں جب ہندوستان کے طول و عرض میں سینکڑوں لوگوں کو امبیلہ کے مجاہدین کے ساتھ کسی بھی قسم کا رابطہ رکھنے کے صرف شک کے جرم میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا یا کالا پانی بھجوایا گیا تو پھر عجب خان کے خلاف مقدمہ کیوں نہ چلایا گیا! ۱۸۷۷ء میں یعنی جنگ امبیلہ کے چودہ سال بعد عجب خان کو رستم کے نزدیک چند دیہات پر حملہ کرنے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ وار برٹن نے انکوائری کی۔ وہی وار برٹن جو عجب خان سے خدا واسطے کا بیر رکھتا تھا اور خود اپنی کتاب میں اسے تسلیم بھی کرتا ہے۔ راقم نے دفتری ریکارڈ سے وار برٹن کے تمام خطوط کا بغور مطالعہ کیا ہے اور اس کی انکوائری بھی پڑھی ہے۔ صاف محسوس ہوتا ہے کہ انگریزی

قانون کی دو دھاری تلوار کے دوسرے رُخ کا ناجائز استعمال کیا گیا۔ عجب خان کے ایک پرانے دوست جس کی اب چودہ سال بعد عجب خان سے دشمنی بھی تھی' اس کو گواہ بنایا گیا۔ گواہوں کے بیانات حاصل کرنے کے لئے وار برٹن نے' جو اُس وقت کا اسسٹنٹ کمشنر مردان تھا' اپنے عہدے' اُس وقت کی پولیس اور پیسے کا خوبصورتی سے استعمال کیا۔

وار برٹن کی کہانی کے مطابق رستم کے قریب چند دیہات پر ۱۲ جولائی ۱۸۷۷ء کے دن بنیر کے تقریباً ۲۰۰۰ مسلح قبائلیوں نے پہاڑوں سے اتر کر حملہ کر دیا۔ دیہاتیوں نے بھی جوابی حملہ کیا۔ قبائلیوں کے پندرہ آدمی مارے گئے' ۳۰ زخمی ہوئے اور تیرہ قیدی بنا لئے گئے۔ دیہاتیوں کے بھی دس آدمی مارے گئے' ۲۲ زخمی ہوئے۔ اب یہ کون مانے گا کہ مسلح بنیری قبائل نے حملہ کیا ہو اور وہ بلندی پر بھی ہوں اور بندے بھی انہی کے زیادہ مارے جائیں اور قیدی بھی ان کے بنیں! اصل واقعہ یہ ہے کہ بنیر والے حسب معمول نیچے بازار میں سودا خریدنے آئے تھے اور وہ عجب خان کے رشتہ داروں کے علاقہ سے آئے تھے' اور ملک تور محمد جس کی عجب خان سے نہیں بنتی تھی' اس نے ان پر حملہ کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اگر بنیر والے خود حملہ کرتے تو ان کے اتنے آدمی نہ مارے جاتے اور نہ ہی قیدی بنتے' کیونکہ بنیر اوپر پہاڑوں پر ہے اور اوپر سے حملے میں نقصان کم ہوتا ہے۔ وار برٹن جولائی کی چلچلاتی دھوپ میں یہ وقوعہ دیکھنے خود گیا۔ حملے اور گرمی کی وجہ سے وہ بپھرا ہوا تھا اور کافی عرصے سے عجب خان کو سزا دینا چاہتا تھا۔ اس نے یہ حملہ عجب خان کے کھاتے میں ڈال دیا اور اپنی تحقیقاتی رپورٹ میں عجب خان کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا' حالانکہ عجب خان اپنے گاؤں میں ہی تھا اور وہ راستے میں وار برٹن سے ملا بھی تھا۔ وار برٹن لکھتا ہے کہ انکوائری اس کے حوالے ہو گئی اور اس نے عجب خان کے اس ساتھی کی خدمات حاصل کر لیں جو ۱۸۶۳ء میں جنگ امبیلہ سے پہلے عجب خان کا پیغام لے کر بنیر ناصر خان کے پاس گیا تھا کہ انگریز آ رہے ہیں اور تمہارا پرہ اٹھا دیں گے۔

یہاں پر دو اعتراضات سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس زمانے کا اسسٹنٹ کمشنر مردان عجب خان کے ساتھی کو دھن' دھونس اور دھاندلی سے آسانی سے خرید سکتا ہے۔ اس نے تو نئے تمغے اور ترقی حاصل کرنی ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ یوسف زئی کے علاقے میں یہ جملہ کہ ''پردہ اٹھنے والا ہے'' کوئی بھی استعمال نہیں کرتا۔ اس لئے وار برٹن کی یہ کہانی سراسر جھوٹی اور من گھڑت ہے۔ استغاثے کی طرف سے طویل تحقیقات کے بعد عجب خان کا مقدمہ سیشن جج پشاور کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ اس کیس میں وار برٹن نے سیشن جج پشاور

سے صلاح مشورے کئے تھے' اس لئے انصاف کے تقاضے دکھانے کے لئے ڈونالڈ میکناب (Sir Donald Machnabb) کمشنر راولپنڈی کی اس مقدمے کے واسطے خصوصی طور پر سیشن جج پشاور تعیناتی کی گئی۔ بائیس یوم میں مقدمہ پایہ تکمیل کو پہنچا اور عجب خان کو پھانسی کی سزا تجویز کی گئی۔ چیف کورٹ پنجاب نے بھی اس کی توثیق کر دی۔ اس مقدمے کے دوران حکومت نے مختلف ذرائع سے عدالت پر اثر انداز ہونے کی پوری کوشش کی اور یہ ریکارڈ پر موجود ہے۔ اُس وقت کی انگریز عدالتوں نے اپنی انگریز حکومت کے مفادات کا پورا پورا خیال رکھا۔ حکومت نے اس مقدمہ میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لی۔ وار برٹن' اولف کیرو اور دوسرے کئی انگریز مصنفوں نے عجب خان چارگلی بیچارے کی پھانسی چڑھنے کی روداد تحریر کی ہے' جو کہ بذات خود جھوٹ کا پلندہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ عجب خان چارگلی نے پھانسی پر چڑھنے سے پہلے قبائلی ملکوں کی موجودگی میں اعتراف جرم کیا اور کہا کہ وہ اس کی تقلید نہ کریں اور ایسے حالات پیدا نہ کریں جن سے انہیں بعد میں تکلیف اٹھانی پڑے۔

یہ سب وار برٹن کی من گھڑت کہانی ہے۔ عجب خان کے رشتہ داروں سے راقم نے کئی دفعہ ملاقات کی اور ان سب کی زبانی یہ پتہ چلا کہ عجب خان چارگلی کو نہایت خاموشی سے خفیہ طور پر پھانسی پر لٹکا دیا گیا اور کسی بھی آدمی یا اس کے کسی رشتہ دار کو بھی خبر نہ دی گئی' اور پھر یہ کہ لاش بھی غائب کر دی گئی۔ اس کے رشتہ دار اب بھی نہایت وثوق سے دعویٰ کرتے ہیں کہ ان دنوں قلعہ بالا حصار پشاور کی ایک دیوار گر گئی تھی اور انگریز اسے دوبارہ تعمیر کر رہے تھے۔ عجب خان کی لاش کو خاموشی سے قلعے کی بنیادوں میں چن دیا گیا۔ انگریزوں نے مزید ظلم یہ کیا کہ عجب خان کے بیٹوں اور دونوں بیویوں کو بھی صوبہ بدر کر کے پنجاب کے مقام شاہ پور منتقل کر دیا اور اس طرح اس خاندان پر ظالم انگریز نے ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے۔

عجب خان چارگلی کی موجودہ نسل جو اَب بھی مردان کے قریب چارگلی کے سرسبز و شاداب علاقے میں آباد ہے' حسرت سے بیان کرتی ہے کہ ان کے دادا کی کوئی قبر نہیں ہے اور جب وہ بالا حصار کے پاس سے گزرتے ہیں تو اس کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

قسط وار سلسلہ (20)

بوسنیا و ہرزیگووینا (۲)

Bosnia and Herzegovina

تحقیق و تحریر: سید قاسم محمود

اسلامی تمدن و ثقافت

ترکی فتح کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ بوسنیا اور ہرزیگووینا کی آبادی کا ایک حصہ مشرف بہ اسلام ہو گیا اور اسلامیت نے پورے ملک کی طرزِ زندگی اور ثقافت پر اپنا نقش ثبت کر دیا۔ یہاں کے مسلمانوں کی قومی اور انفرادی دونوں قسم کی طرزِ زندگی، خصوصاً شہروں میں، ترکی حکومت کے عہد میں بہت حد تک ویسی ہی ہو گئی جیسی کہ خلافت عثمانیہ کے دوسرے صوبوں میں تھی۔ اس علاقے میں اسلامی ثقافت کا فروغ شہری آبادیوں کی بدولت ہوا، اس لیے کہ اس ثقافت کے واضح خدوخال اپنی خصوصیات کے اعتبار سے زیادہ تر شہری تھے، اگرچہ مسلمان کاشت کاروں کی طرزِ زندگی میں خود اُن کی بعض دیہی واضح خصوصیات بھی تھیں۔ یورپ کی تقلید کی وجہ سے بلاشبہ مشرقی ثقافت کے عناصر —— خصوصاً عیسائیوں میں —— ترکوں کے عہد کے بعد زائل ہونے لگے تھے، اور جب یہ علاقہ یوگوسلاویہ کا حصہ بن گیا تو پھر اِن عناصر کے زائل ہونے کی رفتار بڑھ گئی۔ تاہم مشرقی ثقافت کے خصوصی عناصر آج تک معدوم نہیں ہوئے، مسلمانوں ہی میں نہیں، بلکہ عیسائیوں میں بھی وہ ناپید نہیں ہوئے، مشرقی طرزِ زندگی کے بہت سے خدوخال، مثلاً رہن سہن، گھر کے ساز و سامان، کھانے پکانے، آدابِ طعام، آدابِ نشست و برخاست، اور بعض پرانی رسموں میں ابھی تک نظر آتے ہیں۔ زرگری، قالین بافی اور صنعت و حرفت میں مشرقی طریقے ابھی تک اکثر مستعمل ہیں۔

اسلامی ثقافت کے سب سے زیادہ دیرپا نقوش فنِ تعمیر اور شہری منصوبہ بندی کے میدان میں پائے جاتے ہیں۔ بوسنیا کے بہت سے شہر اَب بھی سابقہ خاص طرز کے نقشے کی نشان دہی کرتے ہیں، جن میں دو حصے ہوتے تھے، یعنی چارشو (کاروباری مرکز) اور محلے۔

ترکی حکومت کے زمانے کی شہری منصوبہ بندی اور عام تعمیر کے تین مراحل قرار دیے جا سکتے ہیں:

(ا) ابتدائی عہد، تقریباً سولہویں صدی عیسوی کے اختتام تک
(ب) دوسرا عہد، سترہویں صدی کے اختتام تک
(ج) تیسرا عہد، ترکی حکومت کے اختتام تک

مسلم شہری آبادیوں کے ابتدائی نشوونما کے عہد میں یہ صدر، والی اور ترک عمائد تھے جنہوں نے وہ مساجد اور سرکاری عمارات بنوائیں جو یادگاری تعمیرات کی نمائندہ ہیں۔ اسی عہد سے اسلامی فن تعمیر کی نفیس ترین یادگاروں کا آغاز ہوتا ہے۔ مثلاً فوچہ کی مسجد اندژہ (1550ء)، مسجد غازی خسروبے (1530ء)، سراجیوو کی مسجد علی پاشا (1561ء)، بنالوقہ کی مسجد فرہاد پاشا (1579ء)، مدرسہ غازی خسروبے (1537ء)، اور سراجیوو کا مسقف بازار اور بہت سی دیگر یادگاریں۔ عہدِ ثانی میں اہلِ حرفہ کی برادریوں کے قیام اور تیز رفتار ترقی کے باعث یہ زیادہ تر دکاندار اور سوداگر تھے جنہوں نے تعمیراتِ عامہ کی ذمہ داری لی۔ عہد ثانی کی مشہور یادگار سراجیوو کا تکیہ حاجی سنان (1640ء) ہے۔ تیسرے عہد کے فن تعمیر سے تنزل کے آثار، اور بعد کے زمانے میں یورپی اثرات اور طرزوں کی نقالی نمایاں ہے جو ترکی کے شہروں میں بھی رواج پا گئی تھی۔ تاہم اس عہد نے فنی جدت کی بہت سی دلچسپ مثالیں پیش کی ہیں۔ وزیر کی سرکاری جائے سکونت ہو جانے کی وجہ سے شہر تراونک کی ترقی اس عہد کی خصوصیت کی آئینہ دار ہے۔ مسجد سلیمانیہ ایک بزستان (مسقف بازار) کے اوپر تعمیر ہوئی۔ چھوٹی مسجدوں اور وقف کی عمارات مقامی ماہر فن معمار بناتے تھے، لہٰذا ان عمارات میں فن تعمیر کی بعض انفرادی (مقامی) خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ ترکی حکومت کے بعد کے زمانے میں انحطاط کے آثار پائے جاتے ہیں۔ آسٹریا ہنگری کی عیسائی حکومتوں نے مغربی عربی (مُورش) طرزِ تعمیر کی نقل کر کے اسلامی فن تعمیر کی خصوصیات کو بہتر بنانے کی کوشش کی۔ اس طرز کی سب سے نمائندہ مثال سراجیوو کا ایوانِ بلدیہ ہے۔

ترکی، عربی اور فارسی اصل کے الفاظ و محاورات کی بہت بڑی تعداد بوسنیا اور ہرزیگووینا میں روزمرّہ کے استعمال میں ہے، اور بنسبت دوسرے علاقوں کے جہاں سربی کروٹ بولی جاتی ہے، اس خطے میں زیادہ رائج ہیں۔ ابتدائی ادبی اسلوب میں بھی ان مستعار الفاظ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا گیا، مگر جب سے معیاری سربی کوٹ زبان کو ترقی ہوئی اور اس کے اثرات پھیلے (یعنی 1878ء سے، اور زیادہ تر 1918ء سے) تب سے یہ ترکی الاصل الفاظ، جملے اور محاورے روز بروز متروک ہوتے چلے گئے۔ سلطنت عثمانیہ کے دوران میں یہاں کے مسلمانوں میں ایک شکستہ سریلی قدیم سلاوی رسم الخط رائج تھا۔ سربی کروٹ زبان کی ادبی کتابوں میں، جو یہاں کے مسلمان تیار کرتے تھے، عربی حروف استعمال ہوتے تھے۔ بعض سربی کروٹ مذہبی درسی کتب میں بھی، جو آسٹریا کے دور میں اور قبل جنگ یوگوسلاویہ کے عہدِ حکومت میں لکھی گئیں، یہی عربی رسم الخط استعمال میں رہا۔ عربی حروف میں چھپی ہوئی

کتابیں اب تک دستیاب ہیں۔ الفاظ کے ہجے شروع شروع میں تو من مانے رہے' مگر رفتہ رفتہ اُن کے مسلّم قواعد بن گئے' لیکن 1910ء کے بعد عیسائی حکومتوں کے دباؤ کے تحت یہ عربی حروف مذہبی درسی کتب میں بھی شاید ہی کبھی استعمال ہوئے ہوں۔

ادب

بوسنیا یا ہرزیگووینا کے مسلمانوں کی سربی کروٹ یا مشرقی زبانوں میں ادب کا جامع مطالعہ ابھی تک نہیں کیا گیا' اس کا تنقیدی تجزیہ تو دور کی بات ہے۔

عوامی گیتوں اور عوامی شاعری کے ذوق وشوق میں یہاں کے مسلمانوں میں اپنے ہم وطن عیسائیوں سے بہت ہی کم فرق تھا۔ یہاں کے گسلروں (guslars) کی قدیم رزمیہ تصانیف سربی کروٹ زبان کی رزمیہ نظموں کی تمام بنیادی خصوصیات کی حامل ہیں۔ ان میں اختلاف ہے تو محض مختلف مذہبی اور سیاسی اندازِ فکر کا' یا ترکی محاوروں کے نسبتاً بکثرت استعمال کا' یا بڑی رزمیہ نظموں سے ہٹ کر قطعات یا بولوں کی طرف رجحان پایا جاتا ہے۔ ''حسن اغینچہ'' (Hasanaginica) ایک مقبول بوسنیائی نظم دنیائے ادب میں بہت معروف ہے۔ ابتدائی عوامی رزمیہ نظمیں یہاں کے جنوبی علاقے میں محفوظ ہیں۔

بعد کی مسلم رزمیہ نظم کی ایک صنف مغربی سرحدی ضلع کے لوگوں میں تیار ہوئی جسے کرجینہ (karjina) کہتے ہیں۔ ایسی نظموں کو چھوٹے طنبورے کی سنگت میں ترنم سے پڑھا جاتا تھا۔ یہاں کے مسلمانوں کی عوامی عشقیہ شاعری کا جب اُن کے ہم وطن عیسائیوں کی اس صنف کے ساتھ تقابل کیا جائے تو اس میں جداگانہ' انفرادی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ زبان' موضوعات اور موسیقیت کے مشرقی اثرات سے قطع نظر' وہ صحیح معنوں میں یہاں کے مسلمانوں کی مخصوص نظمیں ہیں اور سارے یوگوسلاویہ میں پسند کی جاتی ہیں اور ان سے لطف اٹھایا جاتا ہے۔

یہاں کے جن مسلم شاعروں نے مشرقی زبانوں میں طبع آزمائی کی' انہوں نے زیادہ تر ترکی میں' اس سے کم فارسی میں اور بہت ہی کم عربی میں لکھا ہے۔ ترکی زبان کے مصنفین میں سے کئی بوسنیا کے باشندے تھے اور ان میں سے بعض ممتاز شعراء گزرے ہیں' مثلاً درویش پاشا (جو 1603ء میں قتل ہوا)' جو ہرزیگووینا کے قصبے موستر میں پیدا ہوا تھا۔ اور مشہور و معروف صاحبِ طرز شاعر محمد نرکسی (متوفی 1634ء)' جس کی ولادت سراجیوو میں ہوئی تھی۔ صرف یہی نہیں کہ یہ دونوں اس علاقے میں پیدا ہوئے' بلکہ وہ بڑے عہدوں پر متمکن بھی رہے۔ درویش پاشا بوسنیا کے پاشا کی حیثیت سے' اور محمد نرکسی قاضی کی حیثیت سے۔ اسی طرح احمد سودی بوسنوی (متوفی 1596ء)' ایرانی ادبِ عالیہ کا مشہور شارح تھا۔ اس نے مثنوی مولانا رومی کی شرح لکھی ہے۔ موستر (ہرزیگووینا) کا ایک پُرگو شاعر شیخ فوزی (متوفی 1747ء) ترکی زبان میں بھی شعر کہتا تھا۔ متعدد بوسنوی اور ہرزیگووینی شعراء

ترکی اور سربی کروٹ دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔اسکوفی بوسنوی (متوفی 1650ء) نے ترکی نظم میں سربی کروٹ زبان کی لغت تیار کی تھی۔ تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری/اُنیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں' زمانۂ حال تک متعدد شاعر ہوئے ہیں' جنھوں نے ایسی مذہبی نظمیں تخلیق کی ہیں جن میں دیرینہ روایات کی روح پائی جاتی ہے۔اس طرز کی شاعری میں قابل ذکر وہ نعتیہ نظمیں ہیں جو میلادِ نبی اور محمد رسول اللہ ﷺ کی صفت وثنا میں لکھی گئی ہیں' ورنہ ابتدائی عہد کی ایسی نظمیں محض تراجم ہوتے تھے' جن میں ترکی اصل کی نقالی کی جاتی تھی۔اگرچہ آگے چل کر بعض طبع زاد تخلیقات بھی ظہور میں آئیں۔

یہاں کے مسلمان ادیبوں کی قدیم نثر زیادہ تر عربی میں تھی' اور یہ کتابیں بڑی تعداد میں دینیات کے مضامین' شرعی قوانین' حکومتی نظم ونسق اور تاریخ سے تعلق رکھتی تھیں۔ان مصنفوں میں بہت سے اگرچہ بوسنیا اور ہرزیگووینا کے باشندے تھے' تاہم استنبول اور سلطنت عثمانیہ کے دیگر شہروں میں رہتے اور کام کرتے تھے۔مثال کے طور پر عبداللہ بوسنوی (متوفی 1644ء) فلسفۂ تصوف پر رسالوں کا مصنف اور ابن العربی کی ''فصوص الحکم'' کا شارح' حسن کافی جو فقہ اور سیاسیات پر ایک ممتاز مصنف تھا' اُسے اپنی علمی قابلیت کی وجہ سے آبائی وطن ہی میں عمر بھر کے لیے ''قاضیلک'' کا منصب (عہدۂ قضا) حاصل ہوا اور وہیں اُس نے 1616ء میں وفات پائی۔وہ اپنی دوسری تصانیف کے علاوہ مشہور ومعروف کتاب ''نظام العالم'' کا مصنف بھی ہے۔

ایسے چالیس کے قریب مصنفین کا نام لیا جاسکتا ہے جو بوسنیا اور ہرزیگووینا کے عہدِ علمی میں مذہبی اور فقہی مطالعات کے میدان میں سرگرم عمل تھے۔ترکی مؤرخوں کی ایک خاصی تعداد بوسنوی مسلم خاندانوں کی اولاد سے ہوئی ہے' لیکن خود بوسنیا اور ہرزیگووینا میں ترکی زبان میں تاریخ نویسی بعد کے زمانے کی پیداوار ہے۔ایک ممتاز بوسنوی تاریخ نویس جو ترکی میں لکھتا ہے' قاضی عمر نوی تھا جو ''غزوات حکیم اوغلو علی پاشا'' کا مصنف ہے۔بوسنیا کی تاریخ سے متعلق اس کتاب کی پہلی طباعت ابراہیم متفرقہ کے ہاتھوں ہوئی۔بعد ازاں دوبارہ طبع ہوئی اور اس کا ترجمہ انگریزی اور جرمن میں ہوا۔غرض ان ممتاز مؤرخوں کے نام اور کام محفوظ ہیں جنھوں نے اپنے عہد کے واقعات قلمبند کیے۔

ابتدائی اسلامی علوم کی بعض خصوصیات اور تصورات ڈاکٹر صفوت بے باش آغچ (متوفی 1934ء) کی تصانیف میں بھی نمایاں ہیں' جو ترکی عہد کا پہلا جدید مؤرخ اور بوسنیا اور ہرزیگووینا کا پہلا مستشرق عالم اور شاعر بھی تھا۔ڈاکٹر صفوت افسانوی ادب کا بھی ممتاز نمائندہ ہے۔ 1910ء کے بعد سے یہاں کے مسلمانوں کی ادبی سرگرمیوں کا رجحان زیادہ سے زیادہ سرب اور کروٹ ادبیات میں مدغم ہوجانے کی طرف رہا ہے۔

تعلیمی نظام

بوسنیا اور ہرزیگووینا میں اسلامی تعلیم وثقافت کے گہوارے دوسرے ترکی صوبوں کی طرح مکتب، مدرسے، مسجدیں، تکیے وغیرہ ہوا کرتے تھے۔ عام دستور یہ تھا کہ ہر مسجد سے ملحق ابتدائی تعلیم کے مکتب قائم ہوتے، جن میں قرآن مجید کی تعلیم، نوشت وخواند اور اسلام کے ضروری مبادیات پڑھائے جاتے تھے۔ ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کی درس گاہیں ''مدرسہ'' کہلاتی تھیں اور وہ بھی ترکی نمونے کے مطابق قائم کی گئی تھیں۔ سراجیوو میں قدیم ترین مدرسہ کی تاریخ بنیاد سولہویں صدی کا آغاز ہے۔ 1536ء کے ''وقف نامے'' کی رُو سے غازی خسروبے کے مدرسے کی بنیاد بوسنیا کے سنجاق نے رکھی تھی۔ مدرسے کے ساتھ کتب خانہ بھی تھا۔ اس مدرسے کی عمارت ابھی تک مسجد خسروبے کے داخلے کے دروازے کے بالمقابل کھڑی ہے۔ مدرسے کے کتب خانے کو آگے چل کر غازی خسروبے کے وقف کا ایک مستقل رفاہی ادارہ بنادیا گیا تھا۔ اس کے موجودہ ذخیرے کی فہرست میں مشرقی زبانوں کی کتابیں، جو ابتدائی ذخیرے میں تھیں، اور مزید برآں بعد کے جمع کردہ نسخوں کی کثیر تعداد، اور وہ مخطوطات اور ترکی دستاویزات ہیں، جنہیں اوقاف، مدارس اور نجی کتب خانوں سے حاصل کیا گیا ہے۔ مدرسوں میں سب سے مشہور مدرسہ غازی خسروبے ہے، جس سے اب دینیات کی تعلیم کے لیے ثانوی درس گاہ کا کام لیا جاتا ہے۔ کئی درویشی سلسلے تصوف کی تعلیم میں اور فارسی زبان کے مطالعات میں مصروفِ کار تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلا درویشی ''تکیہ'' بوسنیا کے آخری سقوط سے پہلے بنا تھا۔ غازی خسروبے کی تعمیر کردہ ''خانقاہ'' میں بعض قابلِ ذکر عمارتی جزئیات ہیں۔ اس کی نگہداشت اور مذہبی اور عام تعلیم کے اخراجات ''وقف'' سے ادا ہوتے تھے۔

سرکاری طور پر دی جانے والی تعلیم کی عام ترقی اور تعلیمی عمارتوں کی ابتدا طوپال عثمان پاشا کی وزارت سے ہوتی ہے، جب اس نے پہلا ''رشدیہ'' اور ''مکتبِ حقوق'' (لاء کالج) قائم کیے، جن کے بعد عام دارالمطالعہ کی بزم اور دفترِ طباعت کا افتتاح ہوا۔ تعلیمی قانون (1869ء) کی رو سے تعلیمی ملازمتوں اور مدارس کی نگرانی وکفالت حکومت کے ذمے ہوتی تھی۔ نجی یا مختلف جماعتی نوعیت کے اداروں میں مداخلت نہیں کی گئی، لیکن وہ بھی سرکار کے زیرِ نگرانی تھے۔ اس قانون کا نفاذ بوسنیا اور ہرزیگووینا میں پورے طور پر نہیں ہوا، گو ''صبیان مکتبی'' اور ''رشدیات'' نیز فنی اور تربیتی مدرسے قائم کیے گئے۔ سرکاری اعداد وشمار کے مطابق سلطنت عثمانیہ کے اختتام کے قریب 917 مکتب، 43 مدرسے اور 28 رشدیے تھے۔ اس کے علاوہ سراجیوو میں ادنیٰ درجے کا ایک مدرسہ حربیہ، اساتذہ کی تربیت کے لیے ایک تربیتی درس گاہ اور ایک تجارتی (کمرشل) مدرسہ قائم تھا۔

مختلف مذہبوں اور فرقوں کے مدرسوں میں مداخلت کیے بغیر آسٹریا ہنگری کے حکام نے خود اپنا سرکاری نظامِ تعلیم رائج کیا۔ سرکاری مدارس میں مذہبی تعلیم لازمی تھی۔ مکتب اور مدرسے بدستور مذہبی درس گاہوں کی حیثیت سے جاری رہے۔ 1909ء کے قانون کے تحت مسلمان بچوں کی ''مکتبوں'' میں حاضری لازمی تھی' اور کوئی مسلمان بچہ پہلے ''مکتب'' میں پڑھے بغیر ثانوی مدرسے میں داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ 1909ء میں تقریباً ایک ہزار پرانے مکتب اور 92 اصلاح شدہ طرز کے ''مکتبِ ابتدائیہ'' تھے۔ مسلمان بچوں کے مکتبوں میں رشدیہ کا بھی شمار تھا اور انہیں اس حیثیت سے نصابِ تعلیم کی تبدیلی کے ساتھ باقی صرف حلیات اور ایک چھوٹے قصبے برچ میں رہنے دیا گیا تھا۔ ''مدرسے'' ادنیٰ مذہبی ملازموں (مولویوں اور مؤذنوں) کے لیے تربیت گاہوں کا کام دیتے تھے۔ 1887ء میں شرعی قانون اور شرعی عدالتوں کے ہونے والے قاضیوں کے لیے ایک درس گاہ کا قیام عمل میں آیا تھا۔ مجلس اوقاف نے 1892ء میں ''استادانِ مکتب'' کی تربیتی درس گاہ کی بنیاد رکھی۔ سراجیوو کے سرکاری گریمر سکول کے مسلمان طلبہ کو اس بات کا اختیار تھا کہ انہیں کلاسیکی یونانی پڑھائی جائے یا عربی۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد یوگوسلاویہ کی حکومتوں کے دوران میں فقط سرکاری ابتدائی مدارس ہی تسلیم کیے گئے' گو اِن کی قلیل تعداد قابل تعلیم عمر کے بچوں کے لیے کافی نہیں ہوسکتی تھی۔ ابتدائی مدارس میں پڑھنے والے سب بچوں کے لیے مذہبی تعلیم کا انتظام کیا گیا تھا۔ مکاتب صرف قرآن مجید پڑھانے کے ادارے بن گئے۔ تمام ثانوی مدارس میں بھی دینیات پڑھائی جاتی تھی۔ 1918ء میں ایک سرکاری شرعی ثانوی مدرسہ سراجیوو میں کھولا گیا۔ شرعی قاضیوں کی تربیت کا مدرسہ 1937ء تک قائم رہا' جبکہ شریعت اور اسلامی دینیات کی ایک اعلیٰ درس گاہ یونیورسٹی کے درجے کی قائم کردی گئی۔ مدرسوں کے متعلق ابتدائی اصلاحات 1933ء میں نافذ کی گئیں۔ غازی خسروبے کا مدرسہ اصلاحات سے مستثنیٰ تھا' کیونکہ اس میں پہلے ہی اعلیٰ ثانوی نصاب پڑھایا جاتا تھا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد بوسنیا اور ہرزیگووینا میں مسلمانوں سے متعلق مشرقی علوم کی طرف زیادہ توجہ کی گئی۔ سراجیوو کے گریمر سکول میں مشرقی اور مغربی کلاسیکی علوم دونوں قسم کا درسی نصاب پڑھانے کا انتظام کردیا گیا۔ سراجیوو یونیورسٹی میں' جس کی بنیاد 1949ء میں رکھی گئی تھی' مشرقی لسانیات (ترکی' عربی اور فارسی زبانوں اور ادبیات) کا شعبہ قائم کیا گیا۔ سراجیوو اورینٹل انسٹی ٹیوٹ میں' جس کی بنیاد 1950ء میں رکھی گئی تھی' مشرقی مخطوطات اور سلطنتِ عثمانیہ کا تاریخی مواد ذخیرہ کیا گیا۔

متعصب عیسائیوں نے یورپ کے اس مختصر سے اسلامی ملک کے مسلمانوں کا ثقافتی ورثہ بیسویں صدی کے اواخر میں جلا کر راکھ کردیا۔ مسلمانوں اور بالخصوص خواتین پر جو ظلم و تشدد کیا' اس کا ذکر کیے بغیر بوسنیا اور ہرزیگووینا پر لکھا ہوا کوئی بھی مضمون ادھورا اور نامکمل رہے گا۔ (باقی آئندہ)